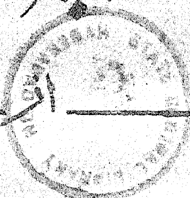
کتابچہ نمبر (۱)

(یعنی)

چھ ریڈیو لکچروں کا مجموعہ



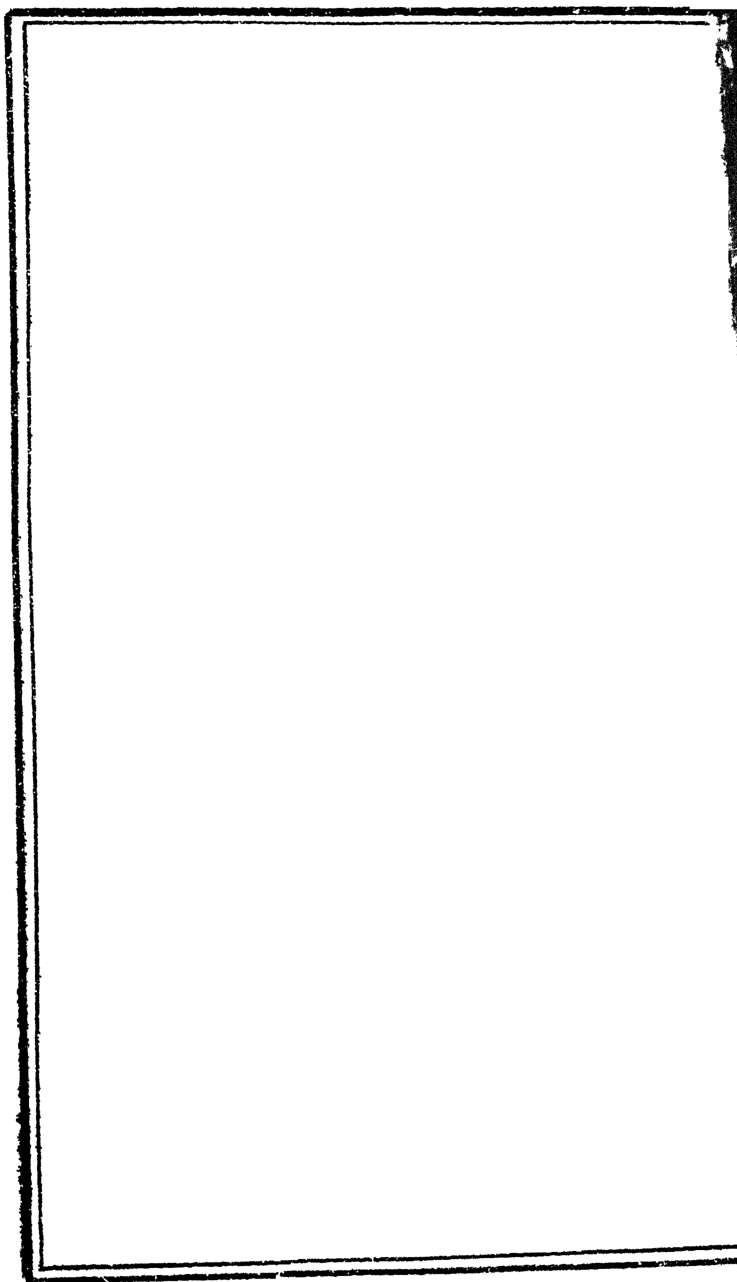
آقا سید محمد علی سابق پروفیسر نظام کالج

مولف فرہنگ نظام

ایران کدہ۔ حیدرآباد دکن

۱۳۵۵ھ ۔ ۱۳۴۵ف

مطبوعہ افضل برقی پریس روبرو دیوڑھی نواب سالار جنگ بہادر حیدرآباد دکن



کتابچہ نمبر (۱) ریڈیو لکچر

میں

اپنی اس ادبی تالیف کو

حضرت اشرف نواب سالار جنگ بہادر

کے نام نامی سے معنون کرنے کی

عزت حاصل کرتا ہوں

آقا سید محمد علی



حضرت اشرف نواب سالارجنگ بہادر دام اقبالہ العالی

بسمہ تعالیٰ

اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ کے مبارک عہد کے برکات میں سے ایک حیدر آباد کی ریڈیو اسٹیشن بھی ہے جس سے اہل ملک کو تفریحات کے علاوہ علمی فوائد بھی حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ مجھ سے خواہش کی گئی کہ ریڈیو اسٹوڈیو میں فارسی شاعری پر تقریر کروں جن سے شائقین فارسی کو فائدہ ہو میں نے اب تک چار تقریریں شعر، شاعری اور شعرائے فارسی کے موضوع پر کی ہیں اسی سلسلہ میں انشاء اللہ تعالےٰ اور متعدد تقریریں کروں گا۔ سب میں اول میں نے ریڈیو اسٹیشن میں ایک تقریر "اردو زبان کا ریشہ" کے موضوع پر کی تھی جو کہ اس کتابچہ کی اخیر میں درج ہے۔ فقط

آقا سید محمد علی سابق پروفیسر نظام کالج مولف فرہنگ نظام

کتابچہ نمبر (۱)

ریڈیو لکچر (اول)

در موضوع

شعر شاعری اور شعرائے فارسی

مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں فارسی کے شعر، شاعری اور شعرا کے موضوع پر کئی مسلسل لکچر دیدوں جس کو میں نے قبول کرلیا ہے اور یہہ خیال بھی سر سے نکال دیا کہ ہند میں فارسی کا زوال ہو رہا ہے ایسے مضامین کے سمجھنے والے کم ہیں کیونکہ اعلیحضرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کی خاص دلچسپی ہند کی فارسی کیلئے مسیحائی کا کام کر رہی اور فارسی کے عاشقوں میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے اور ملک کے ہر گوشہ میں ہر ذی طبیعت شخص اعلیحضرت کے اتباع میں فارسی شعر کہہ رہا ہے۔ حال ہی میں میں نے اعلیحضرت کے احسانات عامہ کی

قدردانی میں ایک قطعہ عرض کیا ہے جس کے بعض اشعار

یہ ہیں:-

عالمانِ تقلید شعرِ فارسی سشہ کنند
ہندیان را ناطق شعرِ خراسان کردہٗ

فارسی تنہا گشت از ہمت شہ سرفراز
کار دانش پروری زین سان فراوان کردہٗ

از تو شد اردو چراغ علم در ہندوستان
از مدارس ملک سرتا سر چراغان کردہٗ

عہد فرخندہ مہد کی تالاب سازی کے بارے میں

یہ شعر ہے:-

ساختی دریا چہا بر رزق خلق افزودہٗ
سایۂ حق و الحق کار یزدان کردہٗ

اعلیحضرت قدر قدرت کی جوبلی کے بارےمیں دو شعر سنیے

میں نے جوبلی کا ترجمہ قرن سے کیا ہے کیونکہ قرن کے معنی
عربی میں ایک زمانہ اور ایک زمانے کے لوگ ہیں ۔
پچیس سال کا ایک قرن ہوتا ہے کیوں کہ اس مدت
میں بچے جوان ہوتے اور جوان بوڑھے اور بوڑھے مرجاتے
ہیں تو اس طور سے پچیس سال میں قرن (زمانہ) بدل جاتا ہے۔

کردہ یک قرن شاہی خویش را از نفع خلق
مستحق قرنہا چون پور عمران کردہ

یاد رکھئے حضرت موسیٰ ایک سو بیس کی عمر کئے تھے ۔

بعد ذو القرنین نا ست ذو القرون ماند بدہر
بہر نام نیک از عدل آب حیوان کردہ

میں ایک ہی زبان سے اعلیحضرت کے نامحصور خوبیوں
کا کہاں تک تشکر کرسکتا ہوں لہذا اپنے موضوع کی طرف پلٹ
جاتا ہوں ۔

فارسی کی دو قسم کی شاعری ہے ایک اصلی جو کہ اسلام سے پیشتر اس میں تھی اور وہی اب تک ایران کے محلی زبانوں (dialects) میں ہیں۔ دوسری عارضی جو کہ عربی کی تقلید میں اس میں آگئی اور یہ عارضی اس قدر بڑھی کہ ادبی فارسی کے لئے وہی مسلم معیار ہو گیا اور دنیا کے لوگ یہ بھی نہیں جانتے ہیں کہ فارسی کی اصلی شاعری اب تک چلی آرہی ہے لیکن وہ عارضی کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہے جس کا کمال بے مانند ہے کیونکہ دنیا کے قدیم اور جدید زبانوں میں کسی کی شاعری بھی عربی شاعری کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور فارسی کی عارضی شاعری جو کہ عربی کی شاگرد ہے اوستاد سے بہت بڑھ گئی ہے جس کی تفصیل آپ کی خدمت میں عرض کروں گا اب میں بالاختصار فارسی کی اصلی شاعری کی تشریح کرونگا اس کے بحور اور دوسرے اصول کی تشریح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اتنا کہنا کافی ہے

کہ اوس کی شاعری سنسکریت زبان کے شاعری کے مانند ہے لیکن چونکہ سنسکریت فولادی زبان ہے جس کا چبانا ہر شخص کا کام نہیں اور میرے دانتوں کو تو سب توڑ ڈالی ہے تو بہتر یہ ہے کہ میں کہوں وہ ہندی بھاشا کی شاعری کے مانند ہے یا یوروپین زبانوں کی شاعری کے مثل۔ کیونکہ مذکورہ زبان آریائی ہیں جن میں ایک ہی طرح کی شاعری ہے جس میں ہر مصرع دوسرے مصرع سے اجزای لفظ (syllables) میں برابر ہے اور اس میں قافیہ کی شرط نہیں ہے۔ اب میں مثال کے لئے مازندرانی زبان کی ایک دوبیتی پڑھونگا۔

تماشتر سر ویشہ بیئہ روشن	گوہر وامیر بوردہ شیر بدوشن
شیرہ بورن ہیا بازار بروشن	مخمل بخرنین گوہرتن دیوشن

مازندران ایران کا شمالی صوبہ ہے جس کی تکلمی زبان

اب تک قدیم پہلوی ہے اس کے پہاڑوں کی وجہ سے
عرب مسلمان اس کو فتح نہیں کر سکے اور دو سو برس تک
وہاں کے لوگ اپنے زردشتی مذہب پر ہی قائم رہے اس
کے بعد علوی سادات وہاں جا کر تبلیغ سے اُن کو مسلمان
کرکے اپنی سلطنت قائم کر دی۔ دسویں صدی ہجری میں شاہ
عباس صفوی مازندران کو ایران کی مرکزی سلطنت سے
ملحق کر دیا جو کہ اب تک ہے وہاں پر اب تک محلی زبان میں
شعر کہنا بہت رایج ہے اور مذکورہ دو بیتی امیر کی ہے۔
جو کہ وہاں کا ایک بہت بڑا شاعر گذرا ہے وہ اپنی بیوی
کو جس کا نام گوہر تھا بہت چاہتا تھا۔ اور اس کے حق
میں بہت عام الفاظ ہ عمدہ اشعار کہا ہے۔ مازندران
میں جنگل بہت ہیں اور ان میں گولیاں بہت رہتے ہیں
جن کے پاس گائے بہت ہوتے ہیں دو بیتی کے معنی ہیں۔

کہ تیسرا پہر ابر کھلگیا اور جنگل روشن ہوگیا اہیر اور گوہر دودھ
نتھارنے کو گئے ہیں دودھ کو دونوں بازار میں لے جاکر بیچ
ڈالیں گے اور اس کے پیسے سے مخمل خرید کر کے گوہر کو پہنا ئینگے
اس شعر میں نہایت سلاست اور فصاحت ہے گاؤں کے
طبیعی زندگی تعلقات زناشوئی اور جنس لطیف کی خاطرداری
کی اچھی تصویر ہے اس شعر کو ہم کالیداس کے بہترین اشعار
سے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ کالیداس سنسکرت شاعری کا کوشیہ
(कविश) یعنی ملک الشعراء ہے اور نثر میں بھی
کچھ کم نہیں ہے اس کا بہترین ادبی کام شکونتلا کا ڈرامہ ہے
جس کا بہترین حصہ باب چہارم ہے اور اس باب کا بھی
بہترین حصہ چار دوہتی ہے جس میں سے ایک یہ ہے۔

पातुं न प्रथमं व्यवस्यति जलं युष्मास्व
पीतेषु या। नादत्ते प्रियमण्डनापि भ
वतां स्नेहेन या पल्लवम्॥

आद्ये वः कुसुमप्रसूतिसमये यस्या भवन्त्युत्सवः। सेयं याति शकुन्तला पतिगृहं सर्वैरनुज्ञायताम्॥

پاتوم نہ پر ہم وییہ ویستی جلم یوشما سو پیتشو یا
نا دتہ پر یہ مند ناپی بھوتام اسنہنہ یا پلّوم
آدی وہ کُوسوم پرسوتی سمی لیسیا بھوت یوتسوہ
سیم یاتی شکونتلا پتی گرہم سروییرہ نوجنا یتام

شکونتلا بھی گوہر کی طرح جنگل کے ایک آشرم میں پلی ہے اور اب باپ (کاشیپہ) اس کو شوہر کے گھر بھیج رہا ہے۔ جنگل کے آشرم کے لوگ سب پریشان اور رو رہے ہیں۔ کاشیپہ وداع کے وقت شکونتلا کی زبان سے پھول پھل کے جھاڑوں کو خدا حافظی کر رہا ہے۔ شعر کے معنی یہ ہیں جو تمہارے پانی پینے سے پیشتر کبھی اپنا پانی پینے کا ارادہ نہیں کیا جو باوجود زینت کے شوقین ہونے کے کبھی تمہارا

ایک پتا توڑنا گوارا نہیں کیا جو تمہارے پھول نکلتے وقت
اس کی عید ہوتی تھی وہی شکونتلا خاوند کے گھر جارہی ہے
سب اس کو خدا حافظ کہو۔

اب دو شعروں میں فرق یہ ہے کہ مازندرانی شعر چھوٹی
اور سنسکرت شعر لمبی بحر ہیں۔ دوسرے یہ کہ مازندرانی شعر میں
وصال کی لذت اندوزی اور اطمینان کا بیان ہے اور
سنسکرت شعر میں فراق کا رنج اور پریشانی۔ لیکن دونوں
اپنے اپنے موضوع کو بہترین طرز سے مشروح کر رہے ہیں۔

جب کہ میں تالیف فرہنگ نظام کے لئے ہماری علم
پرور سلطنت کی طرف سے ایران جا کر وہاں کی ادبی اور
محلی فارسیوں میں جنوب سے شمال تک تحقیقات کر رہا تھا
تو مازندران میں جاڑے کا موسم گذرا جاڑے کی رات
وہاں لمبی ہوتی ہے وہاں کے گاؤں والے راتوں کو

ایک کے گھر میں جمع ہو کر گھنٹوں بیٹھتے ہیں ہر گاؤں میں کئی تبری خوان ہوتے ہیں۔ جو کہ راتوں کو لوگوں کے لیے تبری اشعار اچھے لحن میں پڑھتے ہیں ان اشعار کو جو کہ مازندرانی زبان ہی میں ہیں (تبری) تبرستانی کہتے ہیں ان مجمعوں میں میں برابر جاتا تھا اور مجھے بہت لطف آتا تھا اور جب میں بختیاری لُر قبیلہ میں تھا۔ تو وہاں بھی شب نشینی خوب ہوتی تھی لیکن وہاں لُری اشعار کم پڑھتے ہیں اور زیادہ شاہنامہ خوانی ہوتی ہے۔ جو کہ اس جنگجو قبیلہ کی روح کے موافق ہے کُرد قبیلہ کی زبان میں بھی اشعار بکثرت ہیں ایسا ہی وہاں کا ہر محلی زبان میں شمس قیس رازی اپنی کتاب المعجم میں ایک باب اسی محلی زبانوں کے اشعار پر مخصوص کر دیا۔ اور ان کا نام فہلویات لکھا ہے جو کہ پہلویات کا معرب ہے۔ تاریخ تبرستان مؤلفہ محمد بن حسن بن اسفندیار میں مازندرانی اشعار بہت ہیں۔

اب میں فارسی کی عارضی شاعری پر رجوع ہوتا ہوں جو کہ ایرانی زندگی کے ہر پہلو میں نفوذ کر گئی اور قوم پر اتنا حاوی ہوگئی کہ یورپ والے ایران کو مملکت شعر کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ ایران پر قناعت نہیں کی بلکہ ہند اور ترکی پر بھی قبضہ کرلی یہ شاعری عربی شاعری کی تقلید سے ہجری کی دوسری صدی سے ایران میں شروع ہوئی اور ابھی وہ صدی ختم نہیں ہوئی تھی کہ حنظلہ بادغیسی صاحب دیوان بھی ہوگیا۔ نظامی عروضی سمرقندی اپنی کتاب چہار مقالہ میں لکھا ہے "احمد بن عبداللہ خجستانی سے پوچھا گیا کہ تو ایک گدھے ہانکنے والا تھا خراسان کا امیر کیسے بن گیا۔ اس نے جواب دیا کہ میں حنظلہ بادغیسی کا دیوان پڑھتا تھا جس کے یہ دو شعر مجھے یہاں تک پہونچا دئے :-

مہتری گر بکام شیر در است شو خطر کن ز کام شیر بجوی

یا بزرگی و عزو نعمت و جاہ یا چو مروانت مرگ رویا روی

عربی شاعری کے بحور اس طور سے بنائے گئے ہیں کہ شعر پڑھتے وقت و

وزن موسیقی کا کام دیکر پڑھنے والا اور سننے والے کو جذب کر دیتا ہے

اور اگر بندش و مضمون بھی عمدہ ہو تو شعر سحر ہی بن جاتا ہے اور اس

کی جذابیت دوبالا کرنے کے لئے اس میں قافیہ کی شرط بھی لگا

دی گئی ہے۔ اب عربی شاعری ساحری ہی بن گئی تھی لیکن اس کا

دائرہ تنگ ہو گیا اور اس وجہ سے کہ عربی میں شعر کے وہی شکل

قصیدہ اور قطعہ کے تھے تو وہ بہت ہی محدود رہی قیمتی چیزیں ہمیشہ

کم ہی ہوتی ہیں ہیرہ اور سونا کم ہی ہوتے ہیں جب کہ ایرانی

عربی شاعری کو اپنی فارسی میں لئے تو اس کی تنگی دائرہ کو نقص

سمجھکر اس کوشش میں ہو گئے کہ اس کے جذاب شرائط کو قائم رکھکر

تنگی کو دور کر دیں تو رباعی اور مثنوی کا اختراع کئے جن سے

شاعری کا دائرہ بقدر منطقۃ البروج وسیع ہو گیا اور خصوصا

مثنوی سے اتنی وسعت ہو گئی کہ ایک مضمون میں ساٹھہ ہزار
شعر کہنا بھی فردوسی کے لئے ممکن ہو گیا قصیدہ اور قطعہ میں
اتحاد قافیہ شرط ہے اور معلوم ہے کہ ایک زبان میں ہم قافیہ
الفاظ سو سے زیادہ نہیں ملتے ہیں اس وجہ سے بیچارے عرب
ایسے مضامین میں اشعار نہیں کہہ سکے جو کہ سو اشعار میں ختم نہ ہوں
رباعی میں ایک فلاسفر یا صوفی اپنے خطرات قلبیہ کو بحساب ہر
خطرہ فی رباعی لا سکتا ہے کہ جو ممکن ہے ہزاروں رباعی ہو جائیں۔
مثنوی نے تو ایران۔ ہند اور ترکی کے ممالک پر اشعار بچھا دئے ہیں
عربی شاعری میں تنگی شکل کی وجہ سے مضامین عشق۔ حماسہ۔ مدح و ذم
مرثیہ اور اخلاق پر منقسم تھے فارسی میں مثنوی کی بدولت قوم
کی زندگی کے ہر پہلو شعر میں آسکے اور جب مثنوی میں مانوس
ہو گئے تو دوسرے شکلوں میں جیسے قصیدہ۔ قطعہ اور غزل میں
بھی آسکے عربی میں غزل ایک مستقل شکل نہیں تھی بلکہ عشقی مضامین

قطعہ اور قصیدہ ہی میں آجاتے تھے ایرانیوں نے غزل کو عشق
کے لئے ایک مستقل شکل بنا دیے اور یہ بھی مطمح نظر تھا کہ غزل کی
شکل شاعر کے مشق کے لئے استعمال کی جائے عموماً شعرا ی
فارسی غزل ہی کی مشق میں اوستاد بن جاتے ہیں۔ یہ سب
کچھ جو کہ فارسی کے لئے صدیوں کی محنتوں سے فراہم ہو گئے تھے
اردو کو ایکدم مفت مل گئے اور جب مفت مل گئے تو حفاظت
میں بھی غفلت ہوتی ہے۔ جیسا ہم دیکھتے ہیں کہ کوشش ہو رہی
ہے کہ فارسی کا اثر اردو سے اُٹھ جائے۔ بصورت کامیابی اردو
میں ہندی بھاشا کی شاعری بھی پلٹ کر آئے گی اور فارسی شاعری عمر
خدا حافظ کر کے گھر واپس ہو جائے گی۔ موجودہ نہضت کا سبب
یہ ہے کہ ہند میں فارسی بہت کم ہو گئی ہے اور اردو لکھنے والے
جب فارسی الفاظ لانے سے قاصر ہیں تو ہندی لفظ بہت لاتے
ہیں۔ اور ایک نیا فیشن ہو گیا ہے کہ فارسی عربی الفاظ کی

جگہ ہندی الفاظ رکھے جائیں مثلاً بجائے پشیماں کے پسچاپت تاپہ لکھتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ یہہ لوگ اردو کے غیور طرفدار بھی ہیں حالانکہ اگر اردو سے فارسی عربی الفاظ نکل جائیں تو اردو اردو نہیں رہے گی۔ بلکہ ہندی بھاشا بن جائے گی اور خط ہی اردو رہ جائے کا جس کا بدلنا بھی ضروری ہو جائے گا۔

ریڈیو لکچر (دوم)

در موضوع

شعر شاعری اور شعراء فارسی

غائب سامعین۔ میری گذشتہ تقریر یہاں تک ہوئی تھی کہ ہجری کی دوسری صدی میں ایرانیوں نے عربی شاعری کو فارسی میں لائے اور اس کی توسیع کے لیے رباعی اور مثنوی کا اختراع بھی کرلیئے اور اس ابتدائی شاعری کا ایک استاد (حنظلہ بادغیسی) کا نام اور اس کے اشعار کے نمونے بھی میں نے عرض کر دیا۔ اب مجھے اسی ابتدائی شاعری کے متعلق کچھ تشریح کرنا ہے لیکن میں نے اپنی گذشتہ تقریر کی ابتداء اعلیٰحضرت قدر قدرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ کے مدح میں اپنے دو تین

فارسی اشعار سے کی تھی اس وقت بھی اُسی کو بطور فال نیک اپنی ہر تقریر میں جاری رکھوں گا امید ہے کہ آپ میرے اشعار کی ضرور داد دیں گے ہرچند میں نہ سن سکوں۔ میں نے اپنے ہر سالہ قاعدے کیموافق اکی مبارک سالگرہ کے لیے بھی قصیدہ کہا ہے جس کی ردیف سلطان العلوم ہے اور اس کے چار شعر یہ ہیں۔

از علوم عصر لشکر ساخت بہر جنگ جہل
جامعہ فاتح سپہ سالار سلطان العلوم

بر مراد شاہ گردد آسمان بی لطف نیست
خواہش گر گنبد دوار سلطان العلوم

ثانی سحبان و سعدی تا لی نوشین روان
اند کی گفتیم از بسیار سلطان العلوم

خواستم معنی اشقی الناس از استاد گفت
دشمن منحوس پرادبار سلطان العلوم

اب میں اپنے موضوع پر آتا ہوں۔ سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایران کیوں اپنی زبان کی اصلی شاعری کو چھوڑ کر عربی زبان کی شاعری کو اپنی ادبی فارسی کے لیے اختیار کیا۔ ممکن ہے کہ یہ جواب دیا جائے کہ وہ عرب کے مذہب (اسلام) کو لئے تھے جس کی وجہ اُن کو عربی زبان سے محبت ہوگئی اور اُس کی شاعری بھی اپنی زبان کے لئے اختیار کرلی لیکن یہ جواب کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر ایسا ہی تھا تو کیوں شامی اور مصری لوگ کے مثل عربی زبان کو نہیں لیئے اول ہی سے وہ جانتے تھے کہ اسلام میں ہر قوم اپنا لباس۔ زبان طرز معاشرت وغیرہ میں آزاد ہے فقط ان کو چاہیے کہ عبادات واجبہ کو عربی میں ادا کریں۔ میں سمجھتا ہوں عربی شاعری لینے کا سبب یہ تھا کہ ہجری کی پہلی صدی ہی میں عربی سب مسلمانوں کی علمی زبان بن گئی تھی ایرانی مسلمان بھی اُسی میں عالم بن جاتے تھے اور اسی میں

شعر بھی کہتے تھے جبکہ وہ اپنی پہلوی شاعری کو عربی شاعری سے مقابلہ کرتے تھے تو عربی کا پلہ بھاری ہوجاتا تھا۔ اور وہ عربی شاعری سے مجذوب ہوکر اس کو اپنی زبان میں لے لئے خلفاء راشدین رضؓ کے زمانہ میں ایران فتح ہوکر اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ مقرر رہا جب کہ خلافت کی زبان عربی تھی تو ایران کے حاکم اور دفتر کی زبان بھی وہی ہوگئی۔ اگر ایرانی عربی نہ سیکھتے ہوتے تو ان کو سرکاری محکموں میں جائداد ملنا محال ہوجاتا اور خلافت امویہ میں عربی تعصب جڑ پکڑ لیا تھا کہ عجمیوں کو سرکاری خدمت پر نہیں لیتے تھے جس کی وجہ ایرانی اپنے کو اس وقت کے عربی علوم میں ماہر بناکر ممالک اسلامیہ کے قضاء، قوانین اور تدریس کو اپنے ہاتھ میں لیے پہلی ہی صدی میں ایرانی عرب سے بھی زیادہ عربی علوم میں استاد بن گئے جس کی وجہ فارسی کا پہلوی خط اور اصلی شاعری خطرہ میں پڑگئے۔ کیونکہ پہلوی

خط بہت مبہم اور اس کے حروف ایک دوسرے کے عوض میں پڑھے جاتے ہیں۔ میں نے اس کے حرف اول (الف) کے آوازوں کو گن لیا تو چودہ ہوئے حرف الف واو۔ نون خ وغیرہ بھی پڑھا جاتا ہے ایسا خط عربی کے خط کوفی کے مقابل میں زندہ نہیں رہ سکتا تھا اور جلد مر بھی گیا۔ پہلوی شاعری کی خوبی اس کے مضامین ہی تھے۔ اس میں قافیہ کی شرط نہیں تھی جو کہ بنفسہ ایک جذاب چیز ہے اور نہ اس کے وزن میں عربی وزن کی نمایش اور جذابیت تھی۔ عربی دان ایرانی جلد عربی وزن کو اپنی فارسی شاعری کے لئے حاصل کر لئے اور ایک سبب یہ بھی تھا کہ پہلوی شاعری کے مضامین جو کہ اصول شعری کے طور پر چلے آرہے تھے ایرانیوں کے ان حالات کے مظہر تھے جو وہ اپنی زردشتیت کے زمانہ میں رکھتے تھے اب ان کے اسلام کے زمانہ میں ان میں تغیرات کرنا بھی ضروری تھا

وہ تعبیرات وہی تھے جو کہ عربی کی اسلامی شاعری میں تھے یہ سب اسباب علماء ایران کو عربی شاعری لینے پر مشتاق کر دیئے اور ہماری موجودہ فارسی شاعری کا آفتاب افق ایران سے طالع ہوکر ابتک نور پاشی کر رہا ہے۔

ایرانی علما نے عربی شاعری لیتے وقت بہت ہی احتیاط سے کام لیا اور اس کا کوئی نکتہ اور خوبی بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیئے کیونکہ وہ خود عربی میں معیاری شعرا تھے اور دوسری صدی ہجری میں جبکہ خراسان میں عربی شاعری کو فارسی کے لئے لے رہے تھے تو بغداد میں عربی کا سب میں بڑا شاعر ابو نواس ایرانی (اھوازی) تھا اھواز ابتک خوزستان ایران کا ایک شہر ہے۔ ایرانیوں کو اسلام کے علوم کا خزانہ دار بنتا حضرت رسول اللہؐ کی پیشین گوئی تھی جنہوں نے فرمایا لو کان العلم معلقاً بالثریا لتناوله رجال من فارس یعنے اگر علم ثریا کے ستاروں سے بھی لٹکا ہوا

ہوتا تو ایرانی لوگ اس کو حاصل کر لیتے حضرت رسول اللہ کے زمانہ میں دو نامور متمدن قومیں دنیا میں آباد تھیں ایک رومی دوسری ایرانی اور حجازی ان دونوں سے واقف اور تجارت بھی کرتے تھے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے مداین تک براہ نجد عربی قوافل کی آمد و رفت ہوا کرتی تھی۔ مداین جو موجودہ بغداد کے قریب بسا تھا ساسانیوں کا پای تخت تھا اور دوسری طرف عربی قوافل شام اور قسطنطنیہ تک آمد و رفت رکھتے تھے۔ حجازی ایران اور روم کے تمدن اور حالات سے خوب واقف تھے اس وجہ کفار قریش رسول اللہ کے مقابلہ میں ہر دو سے اخلاقی استفادہ کرنا چاہتے تھے جبکہ پیغمبر خدا پر آیات قرآن پیغمبران سلف کے حکایات کے طور پر نازل ہوتے تھے تو بعض کفار قریش جلسے ترتیب دیکر ایرانی پہلوان رستم گرشاسپ وغیرہ کے کتھا کہتے تھے اور ان کتھاؤں کو پیغمبروں کے قرآنی حکایتوں سے زیادہ دلچسپ سمجھنے لگے۔ جب رسول اللہ کا دعوی

خط ہراقلیوس بادشاہ روم کو پہنچا تو وہ مکہ کے ان تاجروں کو جو اس وقت قسطنطنیہ میں تھے اپنے سامنے بلوایا اور آنحضرت کے حالات دریافت کئے ان میں ابوسفیان بھی تھا۔

تاریخ سے واضح ہے کہ آنحضرت کے زمانہ میں حجازی عرب ایران و روم سے بخوبی واقف تھے۔ جب کہ حضرت رسول اللہ ایرانیوں کو علم میں ترجیح دیئے تو اس پر بھی اشارہ فرمائے کہ یہ میری امت کے علوم کے خزانہ دار بن جائیں گے۔ چنانچہ مخبر صادق کی یہہ خبر سچی ہی ہوکر رہی۔

عربی شاعری اسلام سے پیشتر عربوں کے جاہلیت کے زمانہ میں جبکہ وہ بڑی متمدن قوم نہیں تھی بنی اور یہہ بحث کہ اتنا عمدہ ہیرہ جو کہ کوہ نور اور دریای نور سے بھی بہت بڑا ہے۔ اس جنگلی قوم کو کیسے ملا میرے آج کے موضوع سے خارج ہے، پہلی اور دوسری صدی میں عربی کی علمی خدمت زیادہ ایرانی

ہی کرتے تھے لیکن شاعری کی ایک بڑی خدمت خلیل ابن احمد سے انجام پائی ہے جس کی قومیت کے بارے میں شک ہے اور زیادہ تر مورخین کا یہ عقیدہ تھا کہ وہ عرب تھا۔ بصرہ اُس کا وطن اور قبیلہ ازد سے تھا دوسرا قول یہ ہے کہ اُس کے اجداد یمنی اور اُس کا پڑ دادا ان ایرانیوں میں سے تھا جو کہ انوشیروان کی طرف سے جا کر یمن کو فتح کئے تھے خلیل علم عروض کا مخترع ہے اور اس نے عربی اشعار کے مختلف اوزان کو کشف کر کے قواعد مرتب کر لئے اور وہی قواعد اب تک عربی فارسی اور اردو شاعری میں کار فرما ہیں اس کی وفات ۱۷۵ھ یا ایکو ستر یا ایک سو ساٹھ ہجری میں ہوئی اور چوہتر برس کی عمر پائی خلیل اپنے زمانہ میں بے نظیر عالم و فاضل تھا اور وہ علم نحو میں بھی بڑا استاد مانا گیا جس کے ایک نکتہ کی مدد سے اشعار کے اوزان کو مرتب کر لیا۔ وہ نکتہ یہ تھا کہ نحوی الفاظ کے وزن اور حرکات بتانے کے لئے تین حروف (فا، و عین و لام) مقرر کر لئے مثلاً کہتا تھا کہ

ضَرَبَ فَعَلَ کے وزن پر ہے اور عَلِمَ فَعِلَ کے وزن پر شَرُفَ فَعُلَ کے وزن پر۔ فعل کے حرف اول کو فاء الفعل حرف دوم کو عین الفعل اور حرف سوم کو لام الفعل کہا۔ ضَرَبَ میں ضاد فاء الفعل را عین الفعل با لام الفعل ہیں خلیل نے اوسی فا و عین و لام (فعل) سے مرکبات بنا کر شعر کے وزن بتانے کے لئے استعمال کیا مثلاً مفاعیلن کو بحر ہزج کے لئے اور فاعلاتن کو بحر رمل کے لئے بنایا دونوں میں فا و عین و لام ہیں اور دوسرے حروف بھی ملا دئے گئے۔ علماء نحو نے سہ حرفی الفاظ کے لئے وہی فا و عین و لام استعمال کرتے تھے اور اس سے زیادہ حروف والے کے لئے فا و عین و لام اور ان ہی الفاظ کے باقی حروف لاتے تھے جیسے ضارب فاعل کے وزن پر ہے مضروب مفعول کے وزن پر اور استحکام استفعال کے وزن پر عروض میں نحو کے مانند معین الفاظ کا وزن دینا نہیں ہے لہذا خلیل نے اپنے مقرر کیے ہوے ہر لفظ میں فا و عین و

لام کے علاوہ جو حروف بھی اس کو موقع کے لحاظ سے اچھے معلوم ہوئے
لگا دیا۔ مفاعیلن میں فا، و عین و لام کے علاوہ میم الف یا، نون
اول وسط اور آخر میں لگا دیا اور فاعلاتن میں الف تا، نون
بڑھا دیا۔ خلیل کے قاعدہ کے موافق حافظ کا یہہ شعر۔

اگر آن ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخال ہندویش بخشم سمرقند و بخارا را

اس طور سے وزن کیا جاتا ہے۔ اگر ان تر مفاعیلن ک شیرازی
مفاعیلن بدست آرد مفاعیلن دل ما را۔ مفاعیلن بخال ہن مفاعیلن
دویش بخشم مفاعیلن سمرقند و مفاعیلن بخارا را مفاعیلن۔ یا میرا یہہ شعر

برمراد شاہ گردد آسمان بی لطف نیست
خوانیش گر گنبد دوار سلطان العلوم

اس طور سے وزن کیا جائے۔ برمراد فاعلاتن شاہ گردد فاعلاتن آسمان بی فاعلاتن لطف
نیست فاعلان خوانیش گر فاعلاتن گنبد دو فاعلاتن وار سلطا فاعلاتن نل علوم فاعلان۔ خلیل نے

فا، و میں ولام سے آٹھ مرکب یعنی فعولن۔ فاعلن۔ مفاعلتن۔ مستفعلن مفاعیلن۔ فا علاتن۔ متفاعلن۔ مفعولاتُ بنا کر عربی کے سب اشعار کے اوزان کو کشف کر لیا۔ جس کی تفصیل میں آیندہ لکچروں میں بتلاؤنگا مرکبات مذکورہ کے کوئی معنی نہیں ہیں۔ وہ فقط اشعار تولنے کی ترازو ہے جبکہ خلیل اپنے دارالمطالعہ میں رات دن بیٹھکر یہ مہمل الفاظ کی تکرار کرتا تھا۔ تو اس کے فرزند کو یقین ہو گیا کہ میرا باپ دیوانہ ہو کر مہملات بک رہا ہے۔ اس لئے باپ کے دوستوں میں جا کر اس کی دیوانگی کا اظہار کیا دوست خائف ہو کر خلیل کے پاس دوڑے چلے آئے لیکن یہ سمجھکر کہ ہمارا دوست ایک ایسے انکشاف میں منہمک ہو گیا ہے جو کہ عربی زبان کے لئے بڑی خدمت ہے تو وہ خوش ہو گئے اور اگر ان کو معلوم ہوتا کہ وہ اردو کے لئے بھی خدمت کر رہا ہے تو وہ اور زیادہ خوش ہوتے۔ خلیل نے علم عروض مرتب کر لیا جس سے عربی زبان میں ایک علم کا اضافہ ہو گیا لیکن جہاں تک میں سمجھتا ہوں

شاعری میں چنداں اضافہ یا فائدہ نہیں ہوا۔ مدرسہ میں علم العروض
پڑھایا جاتا ہے لیکن ممکن ہے معلم اور شاگردوں میں سے ایک بھی شاعر
نہ ہو۔ کوئی شخص شعرگوئی شروع کرنے سے قبل علم عروض سے واقف
ہونا اپنا فریضہ نہیں سمجھتا اور عموماً اچھے شعرا بھی عروض نہیں جانتے عرب
ایران میں اب تک یہی حال ہے علیٰ ہذا ہند میں بھی ہمارے حیدرآباد
کو بھی لیجئے اس میں دو تین ہزار شاعر ہوں گے اور اچھے شعرگو بھی
بہت ہیں لیکن ان میں کتنے ایسے ہیں جو عروض سے واقف ہیں اور
جن کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے ایک مہاراجہ بہادر ہیں جو کہ
اپنے اشعار کی تقطیع کر سکتے ہیں دو چار اور بھی دیکھنے میں آئے۔
اور چند ایسے اچھے کہنے والوں کو دیکھا ہوں کہ وہ اپنے اشعار کی
تقطیع نہیں کر سکتے ہیں اس وجہ سے شاعر کہتا ہے۔ من ندانم فاعلاتن
فاعلات × شعر میگویم بہ از حب نبات ۔ ہجری کی دوسری صدی
مسلمانوں کی ترقی کا زمانہ تھا جس میں قدیم اقوام یعنی یونانی ایرانی

اور ہندی علوم وفنون کے ترجمہ عربی میں ہونے لگے اور عربی سب
مسلمانوں کی علمی زبان بن گئی ملتان سے اسپین تک مسلمان عربی میں علوم
کی تعلیم و تعلم کرتے تھے اسی وقت ایرانی علماء عربی شاعری کو اپنی
تکلمی زبان (فارسی) میں لائے اور جلد رشد تک پہنچا بھی دیے۔
ایک قوم میں ایک نئی علمی چیز کا آنا دو وجہ سے ہو سکتا ہے علماء
کی کوشش سے یا دربار کی توجہ سے دوسری صدی میں ایران
میں کوئی خاص ایرانی دربار نہیں تھا۔ لہذا علماء کی کوشش سے
عربی شاعری فارسی میں آکر پھولی پھلی لیکن بیچارے علماء کے پاس اتنا پروتو
کہاں تھا کہ ایسا جلیل القدر شاہزادہ کی پرورش کر سکتے اور اسکے
اقتدار کو پورے ملک پر قائم کر دیتے۔ دربار کی ضرورت تھی جو کہ
اس وقت ایران میں نہ تھا وہ خلافت عربیہ کا ایک صوبہ تھا
جس کو زبان فارسی سے سروکار نہیں تھا۔ مثال کی طور پر اردو
شاعری کو لیجیے کہ اگر وہ درباروں کی پرورش میں نہ آتی ہوتی

تو وہ کبھی اتنی بڑی نامور شاعری آج نہ بن جاتی۔ اردو شاعری کا تولد علمار دکن کی مردانگی سے ہوا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کے دربار وہاں میں پھولی پھلی اور جب ولی دکنی اس کو دہلی کے دربار میں پہنچا دیا تو وہاں خوب اس کی پرورش ہوی جس میں نامور شعرا آبرو۔ آرزو۔ حاتم۔ درد۔ سوز۔ میر انشاء۔ مصحفی وغیرہ پیدا ہوگئے اور جب دہلی دربار میں زوال آگیا تو لکھنؤ کا دربار اس کی پرورش اپنے ذمہ میں لے لی جس میں بڑے نامور شعرار ملک کو روشن کردئے تھے۔ جیسے ناسخ۔ آتش۔ رند۔ نسیم۔ اختر۔ انیس۔ دبیر وغیرہ اور جب لکھنؤ دربار کا بھی زوال ہوگیا تو امیر اور داغ اردو شاعری کو حیدرآباد کے دربار میں پہونچا دئے جو کہ اب تک ناز و نعمت سے پرورش پا رہی ہے۔

دوسری صدی کے آخر میں مامون الرشید خلیفہ عباسی خراسان میں جاکر کئی سال رہا چاہتا تھا کہ ایرانیوں کی مدد سے اپنے بھائی امین کو خلافت سے ہٹا کر

خود خلیفہ بن بیٹھے۔ اس لئے وہ ایرانیوں کی خوب تشویق کرتا رہا
جس کی وجہ سے شعرار کو خیال ہوا کہ فارسی شاعری کو اس کے
دربار میں پہونچا دینا چاہیے لیکن مامون کو فارسی کیا آتی تھی سیاست
سے اُن کی کچھ تشویق کی کیونکہ جب ابوالعباس مروی فارسی میں
ایک قصیدہ کہکر اس میں خوب عربی الفاظ استعمال کرکے مامون
کی خدمت میں پڑھا تو خلیفہ بھی اس کے لئے سالانہ ایک ہزار
اشرفی مقرر فرما کر فارسی شاعری کی تشویق فرمائی۔ ممکن ہے اور فارسی
شعرا بھی مامونی دربار سے فیضیاب ہوگئے ہوں جس کا ذکر تاریخ
میں نہیں آیا ابو العباس کے قصیدہ کے بعض اشعار یہ ہیں۔

اے رسانیدہ زرفعت فرق خود بر فرقدین
گسترانیدہ بفضل وجود در عالم یدین
مر خلافت را تو شایستہ چو مردم دیدہ را
دین یزداں را تو بایستہ چو رخ را ہر دو عین

کس بدین منوال پیش از من چنین شعری نگفت
مر زبان فارسی راہست با این نوع بین

لیک از ان گفتم من این مدحت ترا تا این لغت
گیرد از مدح و ثنای حضرت تو زیب و زین

یقین ہے کہ ابو العباس اپنے اشعار کا عربی ترجمہ مامون کو سنایا تھا اور وہ دوسرے شعر سے بہت خوش ہوگیا ہوگا۔ کیونکہ اس کے دل میں اس وقت یہ بات تھی کہ کسی طور سے امین کو مسند سے ہٹا کر خود خلیفہ بنوں۔ بعض فضلا ابو العباس کے واقعہ کی صحت پر اعتراض کئے ہیں کہ اس کے اشعار کا اسلوب اس عصر کے شعراء جیسے حنظلہ۔ فیروز مشرقی۔ ابو سلیک۔ محمود وراق وغیرہ کے اشعار کے اسلوب پر نہیں ہیں۔ بلکہ متاخر شعراء کے اسلوب پر ہیں خصوص جبکہ اس میں عربی الفاظ بہت ہیں جو کہ اس عصر میں معمول نہیں تھا۔ ہر دو اعتراض کا جواب خود شاعر نے مذکورہ اشعار

میں دیا ہے کہ کہتا ہے اس سے پیشتر اس قسم کے اشعار فارسی
میں معمول نہیں تھے لیکن میں نے یہ چاہا کہ آپ کے نام سے
فارسی زبان کی زینت ہو یعنی میں نے عمداً عربی الفاظ زیادہ
استعمال کیا ہے اور عربی سبک پر یہ اشعار کہے ہیں تاکہ آپ کو
پسند ہوں۔ اس وقت فارسی شاعری کی ابتدا تھی جس کے
لئے کوئی معیار قائم نہیں ہوا تھا۔ غالباً ہر شاعر اسلوب میں ایک
عربی شاعر کی اتباع کرتا تھا۔ اس زمانہ میں ابونواس اور
ابو العتاہیہ کی بڑی شہرت تھی اور مجھے ابو العباس کے اشعار میں
ابو العتاہیہ کی اتباع معلوم ہوتی ہے۔

ہجری کی دوسری صدی میں جبکہ فارسی شاعری متولد
ہو کے پل رہی تھی ایران میں کوئی ایرانی دربار نہیں تھا لیکن
تیسری صدی کی ابتدا میں خراسان میں طاہری دربار قائم
ہوا جس کی ہر چیز عربی میں تھی اور تاریخ سے یہ پتا نہیں چلتا

کہ اس سے کسی شاعری کی تشویق ہوی ہو۔ تیسری صدی کے وسط میں
ایک خالص ایرانی دربار قائم ہوا جس کا نام صفاری ہے لیکن
اس سے بھی فارسی شاعری کی زیادہ تشویق نہیں
ہوی۔ اب میں ان شاعروں کے نام لوں گا جو دوسری اور
تیسری صدی میں تھے اور جن کا تعلق طاہری یا صفاری دربار
سے ہونا ثابت نہیں ہے ان ہی میں سے ایک حنظلہ بادغیسی تھا
جس کا تعارف میں نے آپ سے کر دیا اور جس کا انتقال سنہ ۲۲۰ھ
میں ہوا دوسرا ابو سلیک گرگانی ہے جس کے وفات کی تاریخ
معلوم نہیں اور یہ دو شعر اوسی کے ہیں۔

ای لبب قانتی ولمژگان زد — لهژ ده دل زمن بدز دیدی
ای شگفتا که دیده دز دوی مزد — خواہی که دل زمن بروی

تیسرا فیروز مشرقی ہے جس کی وفات سنہ ۲۸۳ ہجری میں ہوی
جس سے یہ شعر منسوب ہیں۔

مرغی است خدنگ او عجب بدی | مرغی کہ شکار او ہمہ جانا
دادہ پر خویش کرگش ہدیہ | تا بچہ اش را برد بہ مہمانا
سرو سیمین تو را در مشک تر | زلف مشکین تو سرتا پا گرفت

مُشرف مدینہ منورہ کے ایک محلہ کا نام تھا جس سے فیروز کا خاندان آیا تھا۔ چوتھا محمود ورّاق ہے جس کی وفات ۲۲۱ھ ہجری میں واقع ہوی اس کے اشعار جو ہم کو پہنچے یہ ہیں۔

نگارینا بہ نقد جانت ندہم | گرانی در بہا ارزانت ندہم
گرفتستم بجان دامان وصلت | دہم جان از کفت دامانت ندہم

ورّاق کے معنی کاتب کے ہیں۔ اس زمانہ میں ورّاق لوگ کتابوں کی نقل کرکے بیچا کرتے تھے۔ جب کتاب تاریخ سیستان کا نسخہ مل گیا تو اس زمانے کے اور ایک شاعر محمد بن وصیف جو یعقوب ابن لیث صفاری کا میر منشی تھا روشنی میں آیا اور اس نے بادشاہ کی مدح میں ایک فارسی قصیدہ کہا جو کہ اسی کتاب میں ہے اور

جس کا مطلع یہ ہے۔

ای امیری کت امیران جہان خاص و عام

بندہ و چاکر و مولای و سگ بند و غلام

کتاب تاریخ سیستان ناصر الدین شاہ کے زمانہ میں ایک اخبار کے حاشیہ پر چھپی جس کا نام اطلاع تھا۔ بادشاہ مذکور کے زمانہ میں یورپ کی تقلید پر دو اخبار یعنے "ایران" و "اطلاع" طہران سے جاری ہوے۔ اور ہر دو سرکاری خرچ سے چل رہے تھے کتاب سیستان کا ایک نسخہ اس وقت طہران میں ایک فاضل شاعر کے پاس موجود ہے۔ جس کو وزارت معارف طبع کرانا چاہتی ہے۔ محمد بن وصیف کے واقعہ سے بعض ایرانی فضلا یہ رائے قائم کئے کہ ہم کو پہلا فارسی شاعر ملگیا لیکن یہ رائے دربار کی حد تک درست ہے کیونکہ صفاری پہلا خالص ایرانی دربار ہے جس میں پہلی مرتبہ بادشاہ (یعقوب) کے جلوس کے موقع پر

فارسی قصیدہ پڑھا گیا لیکن وہ پہلا شاعر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تیسری صدی کے وسط میں دربار میں قصیدہ پڑھا اور حنظلہ دوسری کے اخیر میں شاعری کرتا تھا۔ ابو العباس بھی اسی وقت دُرباری میں مشغول تھا۔



تیسرا لکچر

شعر شاعری اور شعراء فارسی

میرے غائب سامعین۔ میری دوسری تقریر یہاں تک ختم ہوی تھی کہ فارسی شاعری تیسری صدی ہجری میں آہستہ آہستہ چلتی رہی اور اپنے اطراف کو دیکھ رہی تھی کہ کوئی دربار اس کے ہاتھ پکڑ کے اس کو ایسی بلندی پر بٹھا دے جہاں وہ اپنا حسن و جمال دنیا کو دکھا کر سارا جہاں کو اپنے عشاق بنا دے اس کی خوش قسمتی سے اس کو ایک خالص ایرانی دربار ملگیا جس کے بادشاہ امراء اور اہل ملک کی تکلمی زبان فارسی تھی جس کی وجہ سے فارسی شاعری نے اس درجہ تک ترقی کی

جو کہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے اور جس پر آپ فخر کرتے ہیں۔ وہ دربار سامانی شاہوں کا دربار تھا جو کہ قریب ایک صدی یعنی محمود غزنوی کے آنے تک ایران کے ایک بڑے حصہ میں سلطنت کی ہیں اُس خاندان کی مختصر تاریخ اُس عہد کی شاعری اور شعرا کے مختصر حالات آپ کی خدمت میں عرض کرونگا۔ لیکن جیسا میں نے تقریر اول و دوم میں اعلحضرت قدر قدرت سلطان العلوم کے مدح میں تھوڑے اشعار پڑھے تھے۔ اس تقریر میں بھی اپنا ایک چھوٹا قصیدہ جو میں نے اعلحضرت کے سالگرہ کے موقع پر کہا ہے آپ کو سناؤں گا۔ یہ کام میری ہر تقریر کی شگون نیک ہے قصیدہ یہ ہے۔

قصیدہ

کسی چہ داند بر من چہ روزگار آمد کند ہر آنچہ کہ دشمن بہ من زیار آمد

نگشتم آگه ازین سر که خوبرویان را	چه نیکخواه بدی از چه اختیار آمد
چو حسن رویش بحد جفای خوی وی است	چه صبر دل ز ویم جور بی شمار آمد
شب گذشته که قاصد رسید و گریان بود	ز چشم اشک چون باران نوبهار آمد
نماند چاره بجز شکوه اش بشاه علوم	که عدل نوشروانی دگر بکار آمد
بلند مرتبه عثمان علی شه است که او	عدو ذلیل و ولی شاد و کامگار آمد
ز بانگ سور که هر سو بگوش زهره رسید	عجب بدار رجب ماه شهریار آمد
وگر نماند ترس سیاه کاری ظلم	پی فروغ دکن ظل کردگار آمد
بکشت اهرمن جور برق خرمن سوز	به فرق جهل شکافنده ذوالفقار آمد
زمین تخت دکن از یمین همت شاه	به اهل ملک ز فضل خدا بیار آمد
زرا بهای فراوان ملک تبوان گفت	به مشتهائی ما حضر آشکار آمد
به پای تخت لقب می سزد عروس البلد	به شهر هر که در آمد به لاله زار آمد
محیط فضل و هنر آنچنان که هر علام	به آزمایش شه رفت شرمسار آمد
خداش کرده عطا از نظر عجیب اکسیر	کس ار به بد نظر رفت نامدار آمد

جلال اکبری از تو درخشد و دائمی

بجاے عرفی از ایران بیادگار آمد

اب میں موضوع کی طرف پلٹنا چاہتا ہوں۔ آج اول ہم کو اس پر غور کرنا ہوگا کہ باوجود خلافت عباسیہ ہونے کے خراسان میں یکے بعد دیگرے سلطنتیں قائم ہونے کے کیا معنے ہیں۔ اسی زمانہ میں خلافت سب مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی مرکز تھی۔ کوئی مسلمان یہ تصور نہیں کر سکتا تھا کہ ایک اسلامی صوبہ خلافت سے باہر ہو کر اپنے لئے الگ سلطنت قائم کر سکے ہر مسلمان کو خلیفۂ عصر کی بیعت و اطاعت مذہبی فرض تھا ورنہ وہ خارجی کہلا کے مار ڈالا جاتا تھا۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں یہی رویہ تھا اور خلافت امویہ میں سختی سے اس کی پابندی ہوئی۔ یہاں تک کہ حسین علیہ السلام سے بھی یزید کی بیعت

چاہی گئی تھی اور کربلا کا جانسوز واقعہ اس کا نتیجہ تھا میں اپنی گذشتہ تقریروں میں کہتا ہوا آیا ہوں کہ دوسری صدی ہجری کی شروع میں خراسان میں طاہری سلطنت کی ابتدا ہوی اس کے بعد صفاری سلطنت اور اب سامانی سلطنت کے حالات بتا نا چاہتا ہوں۔ آپ ضرور بے چین ہو گئے ہوں گے اور پوچھنا چاہتے ہوں گے کہ خلافت کے ہوتے ہوے یہ سلطنت سلطنت کیا چیز ہے میں خود آپ کے دل کے سوال کو سمجھ گیا ہوں اور کوشش کرونگا کہ تشفی بخش جواب دوں سنئے۔ خلافت کے اثر کم کرنے۔ اس کے توڑ ڈالنے اور اس کے زوال کے ذمہ دار خود خلفاے عباسیہ ہوے تھے۔ جبکہ بنی عباس سنہ ۱۳۲ھ (ایکسو بتیس ہجری) میں مسند خلافت پر بیٹھ گئے تو ان کو چاہیئے تھا کہ کسی مسلمان کو بغیر بیعت لئے نہ چھوڑیں اور کوئی اسلامی صوبہ کو اپنی خلافت سے باہر جانے کی اجازت نہیں دیں لیکن انہوں نے شروع ہی سے غلطی کر کے اسپین (یا اندلس)

کو چھوڑ دیا۔ وہ خلافت امویہ کا ایک صوبہ تھا عباسیوں کو جو بنو امیہ کے جانشین ہوئے تھے اس پر قبضہ کرنا ضروری تھا لیکن نہیں کیا اور وہاں عبدالرحمٰن نام ہشام ابن عبدالملک کے پوتے نے اپنی الگ سلطنت قائم کر لی۔ جب بنی عباس نے وہاں کی بیعت کا لینا نہیں کیا تو پہلی مرتبہ مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ خلیفہ کی بیعت کے بغیر بھی لوگ مسلمان رہ سکتے ہیں۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ ہارون الرشید نے سن ایک سو چھیاسی میں حج کے موسم میں بزرگان اسلام کے روبرو اپنی خلافت کے ممالک کو اپنے دو بیٹوں میں یعنی محمد امین و عبداللہ مامون میں تقسیم کر دیا۔ امین کو خلیفہ بنایا لیکن خلافت کے قریب آدھے ممالک کو مامون کو دیا کہ برائے نام امین کا تابع رہکر سلطنت کرے حقیقت میں ہارون اس کام سے خلافت کے ریشہ پر تیز کلہاڑی ماری جس سے آدھی صدی کے بعد درخت خلافت کے پتے جھڑنے لگے جیسا کہ میں بعد میں عرض کروں گا۔ ہارون نے

اس تقسیم کو کاغذ پر لکھوا کر زعمای اسلام کے سامنے خانۂ کعبہ کی دیوار
پر لٹکا دیا۔ اور جو شخص اسے لٹکانے کو گیا تو کاغذ اس کے ہاتھ سے
گر گیا اور حاضرین نے اس سے یہ فال بد نکالی کہ یہ تقسیم چلنے والی نہیں
ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ کاغذ تقسیم کا گرنا اشارہ تھا کہ ہارون کی
غلطی سے خود خلافت گرنے والی ہے۔ اسی تقسیم میں امین کو دار الخلافہ
اور خلافت کا مغربی حصہ دیا گیا اور مامون کو جبل حلوان (جو اس
وقت ایران و عراق کی سرحد ہے) سے لیکر خلافت کا مشرقی حصہ
یعنی سندھ اور ملتان تک دیا گیا جس کا پایہ تخت مرو قرار دیا
گیا ہارون کی خلافت کے بعد مامون نے مرو ہی میں بیٹھکر اپنی
حکومت شروع کر دی لیکن اس کا فرض تھا کہ خطبہ میں امین کا نام
لے۔ امین نے بغداد میں اپنی خلافت شروع کی لیکن باپ کی وصیت
کے خلاف اپنے سردار علی بن عیسیٰ کی ماتحتی میں ایک بڑا لشکر مامون
کی گرفتاری کے لیے بھجوا دیا۔ مامون نے بھی اپنے سردار طاہر بن الحسین

کی ماتحتی میں لشکر اس کے مقابلہ کے لیے بھجوایا۔ جنگ میں امین کے
لشکر کی شکست ہوئی اور طاہر نے بغداد کا محاصرہ کر کے اور امین کو
قتل کرا کے بغداد میں ماموں کی خلافت منوا کر خراسان واپس ہوا
ماموں باپ کا بیٹا تھا اور اس نے بھی وہی غلطی کی کہ خلافت کا ایک
حصہ (حکومت خراسان) کو نسلاً بعد نسل طاہر بن الحسین کو دیدیا۔ یہ واقعہ
سن دو سو پانچ ہجری میں ہوا۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ خلافت کا باقاعدہ
تنزل اس وقت سے شروع ہوا اگر ہارون نے خلافت کا ایک
حصہ اپنے بیٹے ماموں کو دیا تھا تو ماموں نے خلافت کا ایک حصہ اپنے
خاندان کو چھوڑ کر ایرانی سردار (طاہر) کو دیدیا۔ ایرانیوں کے دل
کی امید بڑھ گئی کہ اپنے ملک کو عربی حکومت سے آزاد کر دیں ماموں
اپنے عمل سے بتا دیا کہ مسلمانوں کو خلافت کی مستقیم ماتحتی کی ضرورت
نہیں ہے۔ فقط خلیفہ کے نام سے خطبہ پڑھنا کافی ہے نتیجہ یہ ہوا کہ
ایک مشہور ایرانی گنوار جوان یعقوب لیث نام کا بیٹا جو بقول ابن الاثیر

کبھی ایک جست کرکے دوکان کا شاگرد تھا کبھی عیاری اور کبھی راہزنی کرتا تھا۔ آخر لشکر مرتب کرکے فتوحات کرنا شروع کئے اور سن دو سو انسٹھ میں محمد بن طاہر طاہری خاندان کے پانچویں امیر کو قید کرکے خود بادشاہ بن گیا۔ مامون نے طاہر کے خدمات کے صلہ میں اس کو خراسان کی موروثی حکومت عطا کی لیکن اس میں بہت احتیاط سے کام لیا کہ وہ کبھی خلیفہ کی اطاعت سے باہر نہ ہو اور خلیفہ کے نام کو خطبہ سے نہ گرا سکے۔ اس کے خراسان جانے کے وقت بہت سے انعام واحسان میں یہ بھی تھا کہ اسنے اپنے خاص باورچی کو بھی اسے دیدیا۔ وہ بھی خلیفہ ہی کے باورچی کے پکوان نوش فرماتے تھے۔ ایک جمعہ کو طاہر نے مامون کے نام کو خطبہ سے نکال دیا تو دوسرے دن صبح کو مردہ پایا گیا۔ باورچی نے مامون کے پوشیدہ حکم کے مطابق کھانے میں زہر ڈالدیا تھا۔ زین الاخبار میں یہ عبارت ہے کہ "دریکے از جمعہ ہا نام مامون را در خطبہ ذکر نہ کرد و درشب ہمان روز بمرد"۔ لیکن یہ سب احتیاط مامون

اپنے ہی زمانے میں کرسکتا تھا اس کے جانشین نہ کرسکے اور آخرکار ایرانیوں نے خلافت کے کمزور کرنے میں کامیاب ہوکر اپنے ملک کو عرب کی حکومت سے آزاد ہی کر لیا۔ جب سے کہ عرب مسلمانوں نے ایران کے ملک کو فتح کیا تھا۔ تو ایرانی موقع دیکھتے تھے کہ کسی طور سے عرب کی حکومت سے آزاد ہو جائیں کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اسلام میں سب مسلمان برابر ہیں کسی اسلامی قوم کو دوسری قوم پر حکومت کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔ خلافت امویہ کو اسی مقصد کے لئے حکومت عباسیہ سے بدل دیا اور پھر اسی مقصد کے لئے عباسی خلافت کو توڑ ڈالا۔ ملاحظہ فرمائیے محمود غزنوی جو کہ ایک بہت بڑا مقدس مسلمان تھا عربوں کی حکومت تباہ کرنے میں اس نے بڑا حصہ لیا اور فردوسی کو بھی اجازت دی کہ دل کھول کر عربوں کو گالیاں دیں کیونکہ ایرانیوں کی نظر میں اسلام خدا کی طرف سے تھا عربوں سے اس کو کوئی خاص خصوصیت نہیں تھی۔

ایرانیون کو بھی حق تھا کہ عربوں پر حکومت کریں شاہ نامہ کو ایرانیوں کا عربوں
کے خلاف پروپگنڈا سمجھنا چاہئے۔ طاہری خاندان کی حکومت
نے فارسی شاعری کی کوئی خدمت نہیں کی ان کے دربار کی ہر چیز عربی
تھی وہ خلافت بغداد سے وابستہ تھے اور شاید خوف کرتے تھے کہ اگر ایرانیت
کی ترویج کریں تو ان کا وہی حال ہوگا جو امیر اول طاہر ابن الحسین کا ہوا تھا
تذکرہ دولت شاہ میں اوسی زمانہ کا ایک واقعہ لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ
طاہری امرا ایرانیت کے سخت مخالف بھی تھے شاید وہی بغداد کا خوف تھا جو میں نے عرض کیا
تذکرہ دولت شاہ کی عبارت یہ ہے "حکایت کنند کہ امیر عبداللہ بن طاہر کہ بروزگار خلفای
عباسی امیر خراسان بود روزی در نیشاپور نشستہ بود شخصی کتابی آورد و بہ تحفہ پیش او نہاد۔ پرسید کہ
این چہ کتاب است گفت این وامق و عذرا است و خوب حکایتی است کہ حکما
بنام انوشیروان جمع کردہ اند امیر عبداللہ فرمود کہ ما مردم قرآن خوانیم و بغیر از قرآن
و شریعت پیغمبر ما را از این قبیل کتاب در کار نیست و این کتاب تالیف مغان است و پیش
ما مردود است و فرمود تا آن کتاب را در آب انداختند و حکم کرد کہ در قلمرو ہر جا از

تصانیف و اقوال عجم کتابی باشد جملہ را بسوزند"۔ دولت شاہ کی کتاب میں تاریخی اغلاط اور کمزوریاں بہت ہیں اور اس واقعہ کو بطور حکایت کے نقل کیا ہے شاید کوئی مستند کتاب نہ کیونکہ اس میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے لیکن آثار سے ثابت ہے کہ طاہری خاندان نے فارسی شعرا اور ادب کے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ صفاری حکومت کی مدت میں بھی فارسی شاعری کی سرپرستی نہیں ہوئی۔ ہرچند یعقوب ہمیشہ میدان جنگ میں تھا اس سے علمی کاموں کی توقع بیجا ہے لیکن اس کا جانشین عمرو بائیس سال اس کے ساتھ سلطنت کی پھر بھی فارسی شاعری کو درباری پرورش نصیب نہ ہوئی یہ عزت سامانی خاندان کی قسمت تھی ان کی حکومت کی شروع اسمعیل بن احمد سے ہوئی ہے جو کہ سن دو سو ۲۸۷ھ میں عمرو ابن لیث کو شکست دیکر خراسان کا بھی بادشاہ مانا گیا اور اس خاندان کا اخیر بادشاہ عبدالملک بن نوح ہے جو کہ ۳۸۹ھ میں مقید ہو گیا تھا اور اس تاریخ کے بعد ایران شرقی میں محمود غزنوی کی حکومت ہو گئی حکومت خراسان میں ایک صدی کے قریب سامانی خاندان کے نو بادشاہ ہوئے تھے لیکن اس سے پیشتر یعنی مامون الرشید کے زمانے سے اور انہی کے حکم سے وہ ترکستان کے ایک حصہ کے موروثی حکام رہے تھے طاہری اور صفاری

عہد میں بھی ان کی حکومت سمرقند اور بخارا میں رہی۔

سامانی عہد میں ہارون اور ماموں کی غلطی سے خلافت بغداد کے زوال کے آثار نمودار ہو گئے تھے جو امیر جس ملک پر قابض ہو جاتا تھا خلیفہ صاحب اس کے نام اُسی ملک کی موروثی حکومت کے فرمان بھیجتے تھے اور جب اُس امیر کا دشمن اوس پر غالب آجاتا تھا تو فوراً دشمن کے نام پر فرمان حکومت جاری فرماتے عمرو لیث کے نام سمرقند اور بخارا کا فرمان صادر ہوا لیکن جب وہ قبضہ کرنے کے لیے لشکر لے گیا اور اسمعیل سامانی سے شکست کھا کر اسیر بھی ہو گیا تو فوراً خلیفہ معتضد کی طرف سے خراسان اور ماوراء النہر کی حکومت موروثی کا فرمان اسمٰعیل کے لیے صادر ہوا۔ اور عمرو لیث کو بغداد منگوا لیا اور وہیں اس کو زندان میں ڈال دیا جس میں وہ ایک برس کے بعد مر گیا۔ اُن کمزور خلیفوں کی رفتار کے مطابق فارسی میں

ایک مثل ہے کہ "بگیر و بہ بند و بدہ دست من پہلوان"۔
سامانیوں کے زمانہ میں ایران کے دوسرے حصوں میں دیلمی امراء کی سلطنت تھی اور خود دارالخلافہ (بغداد) بھی ان کی عملداری میں تھا۔ اور خلیفہ ان کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنا تھا۔
سامانیوں کی مختصر تاریخ بیان کرنے کے بعد مجھے اب ان کی فارسی شاعری کی خدمت اور خدمت کے اسباب بیان کرنا ہیں لیکن میں یہ چاہتا ہوں اول یہ معلوم کر لوں کہ شعر کیا چیز ہے اور اس کی پیدائش دنیا میں کس طور سے ہوئی۔ شعر کی تعریف کیا ہے۔ یہ ایسا سوال ہے کہ جس کا جواب کوئی نہیں دے سکتا ہے۔ ہر شخص خواہ وہ کسی ملک کا ہو جانتا ہے کہ شعر کیا چیز ہے لیکن اس کی تعریف نہیں بتا سکتا ہے۔ آپ ایک ناخواندہ گنوار سے پوچھئے شعر کیا چیز ہے تو وہ فوراً کہیگا کہ میں جانتا ہوں۔ اور ممکن ہے کوئی شعر بھی آپ کو سنا دے

ایک عالم سے پوچھئے شعر کیا چیز ہے وہ بھی آپ کو ایک شعر سنا دے گا لیکن اگر دوبارہ پوچھیں گے شعر کی تعریف کیا ہے جواب میں وہ بھی عاجز ہو جائے گا۔ شعر حسن اور ملاحت کے مانند ہے حسن کو ہر شخص سمجھتا ہے لیکن توصیف نہیں کر سکتا ہے عربی میں ایک مثل ہے کہ۔ "الملاحۃُ تُدرک ولا توصف" اس وقت میں بھی عاجز اور حیران ہوں کہ اس سوال کا کیا جواب دوں مجھے ایک حکایت یاد آئی۔ ہمارے ایران میں ہر گاؤں میں ایک کدخدا (نمبردار) ہوتا ہے جو کہ سرکار کی طرف سے محصول وصول کرنے کے لیے مقرر ہے اور گاؤں والے اپنے عقلی مشکلات کو بھی اسی سے حل کرتے ہیں۔ ایران میں ہاتھی نہیں ہوتا ہے لیکن بادشاہوں کے پاس بطور اظہار شان و شوکت کے ہندوستان کے ایک یا دو یا زیادہ ہاتھی رہتے ہیں ایرانیوں میں یہ خیال ہے کہ فیلبان ہاتھی کو سونے نہیں دیتا ہے

کیونکہ وہ خواب میں ہندوستان دیکھکر وہاں سے بھاگ جائے گا۔ اور
"فیل خواب ہندوستان دیدہ است"۔ ایک مثل ہے۔ ایک وقت
بادشاہ کا ہاتھی ہندوستان کا خواب دیکھکر رات کو بھاگ گیا
راستہ میں ایک گاؤں کے باہر سے گذرا جہاں مینھ بھی برس چکا
تھا تو ہاتھی کے پاؤں کے نشان رہگئے صبح گاؤں والے
وہ نشان دیکھکر حیران ہوگئے کہ وہ کس چیز کے نشان ہیں
جو کہ اتنے بڑے بڑے ہیں۔ جب ان کی عقل نے کام نہ دیا
تو انہوں نے کدخدا کو بلا لیا وہ گاؤں سے باہر آیا اور نشانوں
کا معائنہ کرکے گاؤں والوں کی پاس ٹھہر گئے۔ سب
کو یقین تھا کہ کدخدا حقیقت کو سمجھ گئے ہیں اور اب اپنی زبان
کھول کر مشکل کا حل کردیں گے لیکن وہ کچھ بیان کرنے سے
پہلے رونے لگے اور خوب روئے اس کے بعد ہنسنا شروع
کردیا۔ گاؤں کے لوگ حیران ہوگئے اور ان کے چند بزرگ

گدخدا کے سامنے آکر ادب سے کہنے لگے کہ سرکار آپ کے دو
متضاد کاموں کا سبب کیا ہے پہلے تو آپ خوب روئے اور اب
خوب ہنس رہے ہیں کدخدا نے ہنسی کو روک کر کہا تم سب
میرے اولاد کے مانند ہو میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور میں ہی
تمہاری عقلی مشکلات کو حل کرتا رہتا ہوں مجھے رونا اس وجہ
سے آیا کہ میرے مرنے کے بعد تم سب یتیم ہو جاؤ گے اور تمہاری
عقلی مشکلات کا حل کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ سب نے
ایک زبان ہو کر عرض کیا۔ کدخدا صاحب خدا وہ دن نہ
دکھائے۔ جب کہ تم ہم میں نہ رہو۔ خدا آپ کو ہزار برس کی
عمر عطا کرے۔ اب فرمائیے ہنسی کا کیا سبب تھا۔ کدخدا نے
کہا ہنسی کا سبب یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں جانتا ہوں یہ نشان
کس چیز کے ہیں۔" اب مجھے رونا تو نہیں آتا ہے لیکن ہنسی آتی ہے
کہ میں ریڈیو اسٹوڈیو میں کھڑا ہو کر شعر کی تعریف بتانا چاہتا ہوں لیکن خود بھی

نہیں جانتا ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ میں فارسی زبان سے گذر کے آریائی اصلی
زبانوں کو دیکھوں کہ اس میں شعر کی تعریف ہے کہ نہیں فارسی زبان ہندی
کی نکلی زبانیں اور یورپ کی نکلی زبانیں سب آریائی زبان ہیں لیکن یہ ثانوی
ہیں ان کے اول اوستا سنسکریت لاطینی اور یونانی وغیرہ زبانیں تھیں
ان میں سے سنسکریت سب میں زیادہ زندہ اور باقاعدہ ہے جس سے دنیا
کی سب آریا زبانوں کے ریشے اور قواعد معلوم ہوتے ہیں پس بہتر یہ ہے کہ
میں سنسکریت میں "شعر کی تعریف کیا ہے" کا جواب ڈھونڈھوں اس میں بھی
حسب دلخواہ جواب نہیں ملتا ہے۔ باوجود اس کے کہ سنسکریت کی ادبیات
کی اکثریت شعر ہے۔ راماین ویدوں کے بعد سنسکریت کی سب میں قدیم
شعر کی کتاب مانی گئی ہے اور اس کے باب دوم میں شعر کی حقیقت کو
ایک قصہ میں ختم کیا ہے کہ رشی والمیکی راماین کا مصنف ایک جنگل میں اپنا
آشرم بنا کے ایک شاگرد کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دن غسل کرنے کے لیے
جنگل میں پھرتا تھا تو ان کی نظر ایک بگلے کے جوڑے پر پڑی جو کہ زندگی

کے لطف اوٹھا رہے تھے اتنے میں ایک صیاد نے اپنی تیر سے نرکو مار ڈالا
اور مادی پریشانی میں پر مارنے لگی اور غم کی آوازیں نکال رہی تھی والمیکی کو
صیاد کی حرکت سے بہت رنج ہوا اور یوں اس کو بددعا دی۔
مانیشادہ پرتیشٹھام توم گمہہ شاشوتی سماہ یت کرونچہ متھونادیکم اودہی کام موہیتم
یعنی اے صیاد تجھ کو کبھی شہرت میسر نہو جبکہ تونے بگلوں کے
جوڑے میں سے ایک کو جب کہ وہ خوشی میں مشغول تھے مار ڈالا۔ اس عبارت
کے کہنے کے بعد وہ خود متعجب ہوے کہ یہ کیسی موزوں اور عجیب عبارت
ہے خود بار بار دہرانے لگے اور اپنے شاگرد کو بھی یاد کرائے اور یہہ
فرمایا کہ جب یہہ عبارت میرے شوکہ (غم) سے صادر ہوی تو میں نے اس کا
نام شلوکہ (شعر) رکھا جب آشرم کو واپس ہوے تو برہما خالق عالم چار
منہہ رکھنے والا اس کے پاس آیا اور ان کو سمجھا دیا کہ جو کچھ اس نے کہا
برہما کے الہام سے تھا اور وہ شعر ہے لہذا اسی کے وزن پر وہ ایک
کتاب (رامائن) رام کے حالات میں تیار کریں اور اس نے حکم کی تعمیل کی

اور یہ راماین کتاب ہے جو کہ ہمارے ہاتھ میں ہے۔ یہ قصہ اس وقت
کا ہے جب کہ وید کو بھول گئے تھے ورنہ خود چار ویدوں کے بیشتر حصے شعر
میں ہیں بعض پنڈتوں نے یہ توجیہ بھی کی ہے کہ والمیکی کا یہ مقصد کہ وہ
شعر کا مخترع ہے راماین کا خاص وزن ہے جو کہ والمیکی سے پیشتر نہیں
تھا۔ اب جبکہ ہمکو "شعر کی کیا تعریف ہے" کے جواب سنسکریت جیسی قدیم
آریائی زبان سے نہ ملا کیا کرنا چاہیے میں سمجھتا ہوں عربی کا دامن پکڑ کے
اس سے پوچھنا چاہیے کہ شعر کی تعریف کیا ہے؟ ہر چند عربی سامی زبان ہے
اور فارسی آریائی لیکن عربی کا بڑا اثر فارسی میں موجود ہے اور فارسی
کی عارضی شاعری جو کہ میرا موضوع ہے اسی سے لی گئی ہے۔ دنیا میں
تین قسم کی زبانیں موجود ہیں سامی آریائی اور اورال اولتائی عربی
عبرانی، سریانی اور ارامی سامی قسم کے ہیں ترکی اورال اولتائی
ہے اور فارسی ہندی اور یورپی زبانیں آریائی ہیں۔ قدیم ایران ترک
اور سامی بابل کے درمیان تصاحب کی وجہ سے ترکی فارسی اور سامی بابلی میں

زبانیں خلط و ملط ہوگئیں اور اسلام کے بعد بھی وہ آمیزش اور زیادہ ہو گئی
اگر ترکی یا عربی زبان میں ہمارے سوال کا جواب مل جائے تو وہ فارسی
میں بھی کارآمد ہوگا اس وجہ سے کہ ترکی کے قدیم ادبیات نہیں ہیں تو
اس سے ہمکو جواب ملنے کی امید نہیں ہے۔ عربی سامی کی بہت قدیم زبان
ہے۔ اور اس کے ادبیات کا ایک حصہ بھی بہت قدیم ہے اس سے
پوچھیں گے "شعر کی تعریف کیا ہے" عربی کے قدیم ادبیات میں شعر ہے
لیکن شعر کی تعریف نہیں ہے اور اس کے اسلامی ادبیات میں شعر کی
تعریف یوں کی گئی ہے "کلام موزوں و مقفی جو کہ متکلم سے بقصد صادر
ہو کہ اگر کسی کے کلام بغیر اس کے ارادہ کے موزوں او مقفی ہو شعر
نہیں ہے"۔ یہ تعریف بالکل ناقص ہے کیونکہ وزن و قافیہ شعر کے شرائط
ہیں اس کی حقیقت نہیں ہے اگر میں ایسا کہوں آپ کے منہ میں دانت
ہیں تیس + سات اگر گر گئے بچے پچیس۔ تو تعریف مذکور سے شعر ہے کیونکہ
اس میں وزن اور قافیہ دونوں ہیں لیکن اس کو کوئی شعر نہیں کہیگا۔

بعضوں نے یہہ رائے قائم کی کہ عربی شعر کی پیدائش میدان جنگ میں ہوئی کیونکہ قدیم عربوں نے جنگی قانون بنایا تھا کہ جب دو مبارز میدان میں جاتے تھے تو ہر ایک کا حق تھا کہ اپنے خاندانی بزرگی اور بہادری کے کارنامہ بیان کرے شروع میں وہ اس کو اچھی فصیح وبلیغ عبارت میں بیان کرتے اور بعد ایک وزن وقافیہ میں جو کہ نثر سے قریب ہے جس کا نام رجز ہے بیان کرنے لگے، جیسا کوئی جنگی اپنی تعریف میں یوں بولے شیر آگیا میدان میں جنگل اسی کا مال ہے ۔ جاؤ بچاؤ جان کو جورہ گیا پامال ہے تقطیع یوں ہے شیر آگیا مستفعلن ۔ میدان میں مستفعلن جنگل اسی مستفعلن کا مال ہے مستفعلن دوسرے مصرع کی تقطیع بھی اسی طرح ہے اور شعر بحر رجز مثمن میں ہے جس کے دو مصرعوں کی آٹھ مستفعلن سے تقطیع کی جاتی ہے۔

اس کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ اس کا وزن نثر کے قریب ہے شاید اسی قربت کیوجہ سے یہ رائے قائم کرلی گئی کہ شعر کی تولید بحر رجز میں ہوئی ہے لیکن میری نظر میں یہ رائے درست نہیں ہے کیونکہ جنگی

قوانین عرب کے تمدن کے زمانہ میں بنائے گئے اور شعراء کی توحش کے زمانہ میں بھی تھا شعر ایک فطری چیز ہے کہ وہ اور موسیقی انسانوں کے ہر دور میں تھے شاید بحر رجز کا شعر میدان جنگ میں بن گیا ہو اس وجہ سے عرب بحر رجز کے اشعار کو رجز ہی کہتے تھے شعر نہیں کہتے تھے اور رجز لکھنے والوں کو راجز کہتے تھے نہ شاعر۔ اب ہمکو معلوم ہو گیا کہ عربی سے بھی مایوسی ہوئی ہے اس سے بھی شعر کی تعریف نہیں ملی اب کہاں جانا اور کیا کرنا چاہیے۔ سنسکریت کے جدید ادبیات میں یعنی پانچویں صدی عیسوی کے بعد شعر کے بارے میں مفید مباحث ہیں جن کو اگر موقع ملا تو اس لکچر کے سلسلہ میں بیان کروں گا ویسے ہی افلاطون اور ارسطو نے بھی مفید بحثیں کی ہیں اور یورپ کے جدید زبانوں کے ادبیات میں بھی اچھی بحثیں ہیں جو کسی موقع پر عرض کروں گا۔ اب اس سوال میں زیادہ طول دینا مناسب نہیں ہے۔ لہذا میں کوشش کرونگا کہ تاریخ جہان اور انسانی فطرت سے سوال کا جواب نکال لوں اگر مجھ سے کچھ غلطی ہو جائے تو آپ صحت کی کوشش کیجیے

شعر انسان کے روحی جذبات کا نام تھا جس کو انسان اپنے الفاظ یا بیان کرتا تھا وہ اول ناچ کے ساتھ تھا بعد موسیقی کے ساتھ بھی ہو گیا۔ اس وقت اس میں موجودہ وزن اور قافیہ نہیں تھا فقط رقص اور موسیقی تناسبات سے مرکب ہوتا تھا بعد میں اسمیں وزن آگیا اور بہت بعد اس میں قافیہ بھی آگیا۔ انسان اپنے توحش کے زمانے میں بھی جب بہت خوش ہوتا تھا تو ہاتھ پاوں ہلاکے ناچتا تھا اور اپنے دلی جذبات کو بھی ناچ کے ساتھ رقصی تناسبات کے ساتھ گاتا تھا وہی شعر تھا اور اب بھی حقیقی شعر وہی ہے دوسرے قسم کے شعر جیسے قصیدہ رباعی مثنوی وغیرہ صنعتی شعر ہیں اور وہ بہت بعد بنے ہیں۔ ہر قوم میں اس کی ابتدائی زندگی میں بھی شعر تھا کسی قوم نے حقیقی شعر کو دوسری قوم سے نہیں لیا کیونکہ وہ انسانوں کی قدرتی چیز ہے لیکن صنعتی شعر میں تقلید ممکن ہے جیسے ایرانیوں نے فارسی میں عربی شاعری کی تقلید کی جس طرح شعر کی پیدایش ناچ اور موسیقی سے ہو گئی ہے تو اسی طرح ان دونوں کو اس کی ترقی میں بھی

ہمیشہ بڑا دخل رہا ہے۔ دیکھئے فارسی اور اردو شاعری میں جب قوالی
آگئی تو ان کی کیسی بڑی ترقی ہوئی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اردو شاعری
رقص اور موسیقی (قوالی) سے پیدا ہوگئی۔ دکن میں اردو شاعری موسیقی
اور قوالی کے لیے پیدا ہوئی تھی اور جب ولی دکھنی اپنے دیوان کو دہلی
لے گیا تو وہاں کے مرشد خصوص شاہ سعد اللہ گلشن نے اس کو قوالی
میں خوب استعمال کر کے شہرت کرادی اور اسی شہرت کی وجہ سے
دہلی کے فارسی شعرا بھی اردو میں اشعار کہنے لگے اور اس کی شاعری
کو کمال تک پہنچادیا۔ شعر کی ترویج اور ترقی پانچ چیزوں سے ہوسکتی
ہے۔ رقص۔ موسیقی۔ ناٹک۔ مذہب۔ اور دربار۔ فارسی شاعری کو
اس کی پیدایش کے بعد پانچوں میں سے ایک بھی نصیب نہ تھی اس وقت
(ہجری کی دوسری صدی) رقص وسرود کو مسلمان حرام سمجھتے تھے تصوف
کی ابتدائی حالت تھی وہ مسلمانوں میں عام نہ تھا تاکہ شاعری کے لیے مذہبی
طور سے قوالی (رقص وسرود) مہیا کر دے۔ چوتھی صدی میں جبکہ تصوف

عام ہو گیا تو فارسی شاعری کو بھی اس کی قوالی اور مضامین سے بعید
فائدہ پہونچا اور اس کو ابوسعید ابوالخیر۔ سنائی۔ عطار۔ جلال الدین
رومی جیسے بڑے بڑے شعرا مل گئے ہیں یہ اس وقت کی فارسی شاعری
بیان کر رہا ہوں جبکہ اس کے لیے پانچوں اسباب میں سے ایک
بھی نہیں تھا۔ ہر چند خلافتی دربار میں اس وقت رقص اور موسیقی کا
بہت زور تھا اور ہر ایک امیر بھی خاص غلام و کنیز رقص و سرود ہی
کے لیے رکھتا تھا۔ لیکن وہ عربی شاعری کو ترقی دے رہے تھے۔
ایران میں چھوٹے دربار اور امراء اپنے ہی پہلوی موسیقی اور فارسی
کی اصلی شاعری سے کام لیتے تھے۔ فارسی کی جدید عارضی شاعری
میں بعد میں سامانی دربار میں رقص و موسیقی آ گئے۔ ناٹک تو کبھی
ایران میں نہیں تھا۔ حالانکہ آریائی زبانوں نے اسی سے ترقی کی اور
ان کی شاعری کی ترقی کا بڑا سبب ڈراما تھا۔ سنسکریت زبان
میں ڈرامہ بہت اور بہت اہم تھا قدیم یونانی زبان میں بھی ڈرامہ

بہت تھے اور اوس ذریعہ سے یونانی شاعری کو خوب ترقی ہوئی۔ جدید یوروپی زبانوں نے درامہ سے بہت فائدہ اوٹھایا اور اون کی شاعری کو درامہ نے بہت چمکادیا فارسی زبان ہمیشہ درامہ کے فیض سے محروم رہی مگر بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں ایک قسم کے مذہبی درامہ کا رواج ایران میں ہوا تھا جس کا نام تعزیہ تھا جسمیں واقعات کربلا کے ایکٹ ہوتے تھے اور ایکٹرز سب شعر میں بات کرتے تھے وہ بھی اب منسوخ ہوگیا ہے۔ شاعری کا چوتھا مروج مذہب ہے اور اوس نے سنسکریت شاعری کی خوب ترویج کی اور اردو کے لئے تو آب حیات کا کام دیا قوالی اور مرثیہ اردو شاعری کی جان ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کے بہترین شعرا مرثیہ ہی میں ہیں۔ فارسی شاعری کو قوالی اور تصوف سے بہت فائدہ ہوا لیکن جس زبان کی ہم بحث کر رہے ہیں اسمیں

یہ چیزیں یہاں نہیں ہے باقی رہا پانچواں مروج یعنی دربار جس سے فارسی شاعری پھولی پھلی اور کمال تک پہونچ گئی وہ سامانی دربار تھا جس کے زمانہ کی شاعری مجھے بیان کرنا ہے مذکورہ پانچ اسباب کے علاوہ چھٹا مروج بھی ہے جس سے دنیا کی ہر شاعری کو فائدہ پہونچا وہ صنعت طبع ہے لیکن سب سے زیادہ یورپی زبانوں کی شاعری کو پہونچا کیونکہ مطبع کا رواج لندن میں بہت جلد ہوا۔ انگریزی زبان کے شعراء سب مطبع سے چمکے اور باستثنای چاسر۔ اسپنسر سے لیکر موجودہ شعراء تک سب کے سب ناٹک اور مطبع کے رہین منت ہیں ہمارے پیش نظر زمانہ (دوسری اور تیسری صدی ہجری) میں مطبع دنیا میں نہیں تھا۔ اوس وقت ہماری فارسی شاعری کے لئے ایک ہی مروج ہو سکتا تھا وہ دربار تھا جو کہ تیسری صدی کے آخر میں اوس کو مل ہی گیا۔ یہانتک میری تیسری تقریر ختم

شعر شاعری و شعراء فارسی

ریڈیو لکچر چہارم

السلام علیکم میرے غائب سامعین۔ میری گزشتہ تقریر یہانتک پہونچی تھی کہ فارسی کی عارضی شاعری کو جو کہ عربی شاعری کی تقلید تھی تیسری صدی کے اواخر میں اوس کی پرورش کیلئے سامانی دربار مل گیا۔ بادشاہان سامانی نے ایک صدی ایران کے مشرقی اور دوسرے حصوں میں جلال کے ساتھ خودمختارانہ سلطنت کی۔ اون کے زمانہ میں فارسی شاعری کی خوب ترقی ہوئی اور بہت سے استاد شعر پیدا ہو گئے جن کے مختصر حالات اور اشعار آج مجھے عرض کرنا ہے لیکن میں گزشتہ تقریروں

کے موافق آج بھی اول اعلیحضرت قدر قدرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ کی مدح میں اپنے کچھ اشعار پڑھونگا اور یہ میری ہر تقریر کا شگون نیک ہے اور ایک قسم کا شکریہ بھی ہے کیونکہ اگر سلطان العلوم کی علم دوستی نہوتی تو اس ملک میں کسکو فارسی ادب کی علمی تقریر سننے کا اتنا شوق ہوتا اور اگر اعلیحضرت کی تمدن پروری نہ ہوتی تو ہم کو تمدن کار لاسلکی نشرگاہ کہاں سے مل جاتی۔ میں اعلیحضرت کے ہر سالگرہ کے موقع پر ایک یا زیادہ قصیدہ عرض کیا کرتا ہوں اب ایک سالگرہ قصیدہ کے بعض اشعار پڑھتا ہوں سنئے۔

قصیدہ

دکن را باز از میلاد شہ عثماں بہاران است ۔ کہ شاہ داد گستر بر رعایا ظل یزدان است

رسید از غیب در ناسوت سلطان العلوم امروز ۔ عطارد را بشارت ختم دور نحس کیوان است

بہائے دانش خود راہنرمنداں بیفزائید ۔ کز ایں پس قدر دانیہا فراوان است ارزان است

دکن را شاد از حد بگذرد در روز میلادش　　عیان گرد است کردار و جوش فضل رحمان است

زمن تعریف خلق او ہرگز نمی آید　　معرف قطرہ است شاہ خوبان بحر عمان است

پے آرام ما کوشد بعشرت باشدش نصرت　　زہے توفیق شاہ ما مسلمان است و سلمان است

ز نطق خود دل سامع پر از گنج گہر سازد　　چو خندد رخ درخشان مہر تابان در دندان است

غزل را صائب است و ہست ابن مقلہ در تحریر　　بحکمت کم ز لقمان نیست در تقریر سحبان است

تعالی اللہ ز آبادی ملک دکن از شاہ　　کہ ہمچون کہکشان در مملکت ہر سو خیابان است

فزود از راہ آہن ثروت ملت زہے دانائی　　کہ جسم مملکت را راہ آہن عرق و شریان است

صدائے دادخواہ از گنبد عدلیہ گردون　　رسد ہر دم کہ عثمان شاہ نوشیروان دوران است

یقین آخر عروس الہند گردد حیدرآبادش　　کہ شاہ علم چون شاہ جہان در سعی عمران است

ز بس تسخیرہا کردے بنا کاین دم زمین ملک　　سراسر تر چو کوئے دلبر از عشاق گریان است

ز تو شد حیدرآباد دکن چون قرطبہ در علم　　ز انبوہ ہنرمندان چو بغداد و صفاہان است

ندیدہ چشم گیتی فیلسوفی چون تو بر اورنگ　　مثال حیدرآباد و تو افلاطون و یونان است

ز تو افزود ذوق نظم و نثر فارسی آن سان　　کہ بتوان گفت پایۂ تخت تو امروز طہران است

بماند فارسی جاوید در ہندوستان از تو است تو ئی خضر و کلام فارسیت آب حیوان است
ا گر نہادہ پا از راہ شرع مصطفیٰ بیرون زبانت ترجمان حق و دل گنجور قرآن است
توئی شیرازۂ اوراق ہم پراگندہ است دعایت فرض عین ہر چہ در عالم مسلمان است

میں اپنے موضوع پر آنے سے قبل اپنی ایک غفلت کی تلافی کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ میں نے عہد طاہری اور اوس کے پیشتر کے شعراء میں سے دو صوفی بزرگوار شاعر کو علحدہ رکھدیا تھا کہ آخر میں ذکر کروں لیکن بعد میں بھول گیا وہ دو بزرگوار شفیق بلخی اور بایزید بسطامی ہیں ابو علی شفیق ابن ابراہیم بلخی کی وفات کی تاریخ ایک سو چوہتر ہجری ہے وہ بزرگان صوفیہ اور اولیاء کبار میں سے ہیں یہ رباعی اون کی ہے۔

صوفی کہ بخرقہ دوزیش بازار است + گر بخیہ بفقر میزند خوش کار است
در خواہش طمع دست او جنبا ند + ہر بخیۂ رشتہ اش بت و زنار است

شفیق کو اول شاعر فارسی ماننا چاہئے کیونکہ وہ حنظلۂ بادغیسی سے بھی

زبان میں مقدم ہے۔ یہ چار رباعی ابا یزید کے ہیں۔

(۱) ای عشق تو کشتہ عارف و عامی را　　سودای تو گم کردہ نکونامی را
ذوق لب میگون تو آوردہ بیرون　　از صومعہ بایزید بسطامی را

(۲) ما را ہمہ رہ بکوی بدنامی باد　　در سوختگاں نصیب ما خامی باد
ناکامی ما چو ہست کام دل دوست　　کام دل ما ہمیشہ ناکامی باد

(۳) کو سوختہ ای کہ سازمش ہمدم خویش　　یا دل شدہ ای کہ باشمش محرم خویش
پس ہر دو بکنج خلوتی بنشینیم　　من ماتم خویش دارم او ماتم خویش

(۴) خواہی کہ رسی بکام بردار دو گام　　یک گام ز دنیا و دگر گام ز کام
نیکو مثلی شنو ز پیر بسطام　　از دانہ طمع ببر کہ رستی از دام

مخفی نہ رہے کہ ابا یزید بسطامی دو ہیں اور دونوں کے نام طیفور اور کنیہ ابا یزید اور بسطام خراسان کے رہنے والے تھے دونوں اولیائے کبار اور صوفیاء عظام سے ہیں لیکن ایک کے جد اعلیٰ کا نام سروشان تھا جو کہ مذہب زبردشتی سے مسلمان ہو گیا تھا اور دوسرے کا جد اعلیٰ

علی ناجی تھا پہلا ابایزید ہجری کی دوسری صدی میں گزرا اور حضرت امام جعفر صادق ع کے گھر میں آٹھ برس سقائی کر کے معرفت حاصل کر لی دوسرا ابایزید جس کے اشعار میں نے نقل کر لیا ۲۶۱ھ دو سو ایک شہر میں وفات پائی۔ اول کو شعراء عصر طاہری اور صفاری میں محسوب کرنا چاہیئے بہت سے مورخین کو دھوکا ہوا کہ ابایزید بسطامی جو کہ شاعر فارسی بھی تھا حضرت امام جعفر صادق کا شاگرد تھا حالانکہ دونوں میں ایک صدی کا فاصلہ ہے ابن خلکان سے بھی یہی غلطی ہوئی لیکن جامی نے نفحات میں اور خونساری نے روضتہ الجنات میں غلطی کی صحت کر دی کہ ابایزید بسطامی دو ہیں نہ کہ ایک۔

اب میں اپنے موضوع پر آ کے عرض کرتا ہوں کہ سامانیوں کی ایک صدی حکومت میں فارسی شاعری کی پرورش اسوجہ سے ہوئی کہ بغداد کی خلافت عباسیہ بالکل ناتواں تھی جس سے

سامانیوں کو موقع ملا کہ اپنے دربار کو قدیم سامانی بادشاہوں کے دربار کے ذرا موافق بنادیں اور خاصکر شعرا اور رقص و سرود کو خالص ایرانی کردیں۔ اون کی خود مختاری سے پیشتر یعنے ماموں الرشید کے زمانہ سے لے کر عمرو لیث کی شکست تک جب کہ وہ ماوراءالنہر کے ایک حصہ کے حکام موروثی تھے غالباً اون کو ایرانیت کی ترویج کی جرائت نہ ہوئی ہو گی کیونکہ اوس وقت وہ خلافت سے وابستہ تھے اور خود طاہری اور صفاری حکومتوں کو بھی جو کہ اون کی حکومت سے بہت بڑی تہیں ایرانیت کی ترویج کی جرات نہ ہوئی شعری تذکروں میں سامانی عصر کے قریب تیس شاعر مذکور ہیں لیکن سب کے اشعار منقول نہیں ہیں بعضوں کے نسبت یہ لکھا ہے کہ وہ صاحب دیوان تھے لیکن اون دیوانوں سے دو چار شعر سے زیادہ ہم کو نہیں پہونچے رودکی کے نسبت یہ مشہور ہے کہ اوس

کے ایک لاکھ یا اوس سے زیادہ اشعار تھے لیکن جو زمانہ کے
دست برد سے بچ گئے ہیں وہ پانسو تک بھی نہیں پہونچتے۔
فردوسی بھی سامانی عصر کا شاعر ہے اوسی عصر میں پیدا ہوا
اوسی میں شاعر بنا اور سامانی سلطنت ہی میں شاہ نامہ کو ختم
کر لیا اوس کو غزنوی عصر کے شعراء میں شمار کرنا ایک تاریخی
غلطی ہے جو کہ اس سے نکلی کہ محمود غزنوی کی تخت نشینی کے
بعد وہ شاہ نامہ میں کچھہ اشعار بڑہا کے محمود کے نام سے معنون
کر کے اوس کے دربار میں پہونچا۔ یہ سب بعد میں عرض کیا جائیگا
اب اتنا عرض کرنا ہے کہ سامانی عصر کے شعراء کے اشعار باستثنائے
شاہ نامہ اور یوسف زلیخا، فردوسی کے سب معدوم ہو گئے
اون میں فردوسی کے دوسرے اشعار بھی ہیں انھوں نے قریب
چالیس سال کی عمر میں شاہ نامہ لکھنا شروع کیا اوس سے پیشتر
ہزاروں اشعار کہے ہوں گے قصیدہ غزل رباعی اور مثنوی میں

جو فنا کی راہ لیئے اور چند ہی بیت اون میں سے تذکروں میں رہ گئے
سب میں قدیم تذکرہ شعراء لباب الالباب مولفہ عوفی یزدی ہے
جو کہ ساتویں صدی ہجری میں تھا لباب الالباب میں عصر سامانی
کے ستائیس [27] شعراء کے نام اور بعض کے کچھ اشعار بھی درج ہیں
اوس سے پیشتر مجمع النوادر مشہور بہ چہار مقالہ نظامی عروضی میں
بھی اوس عصر کے بعض اساتذہ شعر کے نام یوں ہیں "واسامی لکو
عصر و سادات زمان بنظم رائع و شعر شائع ایں جماعت باقی ا
چنانکہ اسامی آل سامان باستاد ابوعبداللہ جعفر بن محمد الرودکی و ابو
العباس الربنجنی و ابوالمثل البخاری و ابواسحاق جویباری و ابوالحسن
آغاجی و طحاوی و خبازی نشابوری و ابوالحسن الکسائی" عبارت
مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ چہار مقالہ کی تالیف کے وقت یعنی
پانسو پچاس [۵۵۰] ہجری میں سامانی عصر کے بعض شعراء کے اشعار
موجود تھے لیکن وہ ہم کو نہیں پہونچے۔ سامانی عہد کے شعراء میں

سب سے بڑے اور پرگو استاد رودکی اور فردوسی تھے رودکی اپنے پیشرو اور معاصر شعراء میں سے دو کو بہت مانتا تھا۔ کہتا ہے

شاعر شہید و شہرہ فرالاوی — وین دیگران بجملہ ہمہ راوی

اور شہید کے مرثیہ میں کہتا ہے

کاروان شہید رفت از پیش — وان ما رفتہ گیر و می اندیش
از شمار دو چشم یک تن کم — وز شمار خرد ہزاران بیش

فرالاوی کا نام محمد کنیہ ابو عبد اللہ باپ کا نام موسی تھا اوس کی ولادت اور وفات کی تاریخ معلوم نہیں لیکن اتنا معلوم ہے کہ سامانی عہد کے اوائل میں تھا اور فضلاء و حکماء میں سے محسوب ہوتا تھا۔ اوس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

ز چشم مست تو عالم خراب است — بہ بند زلف تو عالم گرفتار

ایضاً

چون مورد سبز بود بستر من ہمہ — دردا کہ بر نشست بر آن مورد شنم

ایضاً

چہ شغل باشد واجب ترا ز زیارت آنک اگرچہ نیک بکوشم بجز تتش برسم
اگر شفیع نیابم از و بعذر گناہ کریم طبعی او نزد اد شفیع بسم

ایضاً

مادہ گاوان گلات ہر یک شاہ پرور بود چو برایون

شہید بلخی کی کنیت ابوالحسن اور شہید علم یا خاندانی نام تہا وہ فضلائے عصر میں سے تھا تاریخ وفات تین سو پچیس ۳۲۵ ہے۔ اوس کے بعض اشعار یہ ہیں۔

ابر ہمی گرید چون عاشقان باغ ہمی خندد معشوق وار
رعد ہمی نالد مانند من ٭٭٭ چونکہ بنالم بسحرگاہ زار

ایضاً

دانش و خواستہ است نرگس و گل کہ بہ یک جائے نشکفند بہم
ہر کہ را دانش است خواستہ نیست ہر کہ را خواستہ است دانش کم

ایضاً

عیب باشد بکار نیک درنگ گر شتاب آمد اے رفیق ملام
عاقبت راہم از شتیدن من تا بغفلت گلو نگیرد دام

ایضاً

اگر غم را چو آتش دود بودے جہان تاریک بودے جاودانہ
درین گیتی سراسر گر بگردی خردمندی نیابی شادمانہ

ایضاً

دوشینم گزر افتاد بویرانۂ طوس دیدم جغدی نشستہ جائے طاوس
گفتم چہ خبرداری ازین ویرانہ گفتا خبر این است کہ افسوس افسوس

رودکی کے معاصر شعراؤں سے ایک خسروانی خراسانی بھی ہے
جسکا نام حکیم ابوطاہر طیب بن محمد ہے اوس کی وفات کی تاریخ
(۳۴۲ھ)
تین سو بیالیس ہجری ہے۔ اور یہ ہیں اوس کے بعض اشعار

تا پاک کردم از دل زنگار حرص وطمع زی ہر دری کہ روی نہم در فراز نیست

جاہست و قدر و منفعت آن را کہ طمع نہ عزاست و صدر و مرتبہ آن را کہ از نفس ست

ایضاً

بنو داست عشق تو بی ہجر ہیچ بیکدیگر اندر زدستند چنگ
نہنگی است ہجران و دریاست عشق بدریا بود جاو دانہ نہنگ

ایضاً

چہار گونہ کس از من بعجز بنشستند کزین چہار من ذرہ شفا نرسید
طبیب و زاہد و اختر شناس و افسونگر بداروی و بدعای و بطالع و تعوید

رودکی کا نام ابو عبداللہ جعفر بن محمد ہے اور وہ سمرقند کے ضلع رودک کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا جس کا نام بنج تھا۔ تحصیل علم کے بعد شاعری اور موسیقی میں ماہر ہو کے نصر بن احمد سامانی الملقب بہ سعید کے دربار میں رسائی حاصل کری۔ سامانیوں میں سب میں قوی، پر امن اور طولانی سلطنت سعید کو نصیب ہوئی یعنے سنہ ۳۰۱ ھ میں سو ایک سے تین سو اکتیس تک سلطنت کی وہ خود قدر دان علم و فضل

تھا اور اوسکا وزیر ابو عبداللہ جیہانی بھی بڑا عالم و فاضل اور بہت سے علوم و فنون میں مولف تھا رودکی بادشاہ کا مصاحب اور اپنی آواز، ساز اور شاعری سے بادشاہ کے دل میں غم کو آنے نہیں دیتا تھا۔ بادشاہ بھی اوس کو عطیات اور صلات سے اتنا دولتمند بنایا تھا کہ اوس کے معاصرین اور بعد کے شعراء اوس کی دولتمندی کو یاد کرتے تھے۔ معمری جرجانی لکھتا ہے

اگر بدولت با رودکی نہ ہم سانم عجب مکن سخن از رودکی نہ کم دانم

عنصری لکھتا ہے۔

چہل ہزار درم رودکی ز مہتر خویش عطا گرفت بہ نظم کلیلہ در کشور

اور سوزنی لکھتا ہے۔

صد یک از انکہ تو بہ تمکین شاعری دادی از بلعمی بعمری نگرفت رودکی

رودکی کے تولد کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی بھلا ایک دہقانی بچہ کی پیدائش کو کوئی یاد رکھتا ہے۔ ماں باپ کو بھی یاد نہیں تھا لیکن

مرتے وقت وہ رودکی اعظم تھا سب کو معلوم ہے کہ اوس کی وفات تین سو
انتیس ہجری میں ہوئی اتنا معلوم ہے کہ وہ معمر مرا ہے کیونکہ اپنی پیری کے
بارے میں ایک قصیدہ لکھا ہے جس کو بعد میں عرض کروں گا اوس نے
اقسام شعر قصیدہ، غزل، قطعہ، رباعی اور مثنوی میں ہزاروں اور بقول بعض
لاکھوں اشعار کہے تھے جن کو سب طول زمان نے کھالیا اور اب اوس
کا ایک چھوٹا دیوان موجود ہے جس میں ایک ہزار کے قریب اشعار ہیں
وہ بھی اب معلوم ہوگیا کہ سب اوس کے نہیں ہیں قطران کے اشعار بھی اوس
میں ہیں ابونصر کے لفظ کو جو کہ قطران کا ممدوح تھا نصر بن احمد ممدوح
رودکی سمجھکر قطران کے اشعار کو مرتب دیوان نے رودکی کے اشعار میں
شامل کردیا جو کچھ اشعار اوس کے بچے ہیں نمونہ ہے کہ وہ ہر قسم کے شعر
میں استاد تھا جب ہم یہ تصور کریں کہ رودکی اپنے استادانہ اشعار اپنی خوش
گلوئی سے گاتا تھا اور بجاتا تھا تو شعر کے سحر بننے میں کوئی شبہہ نہیں ہوسکتا
اور سننے والے مسحور ہی ہوجاتے تھے چنانچہ رودکی کا ایک سحری واقعہ

نظامی عروضی کے چہار مقالہ میں ہے کہ نصر بن احمد کا قاعدہ تھا کہ وہ جاڑے کے موسم میں پائے تخت یعنے بخارا میں رہتا تھا اور گرمی کے موسم میں سمرقند یا خراسان کے کسی شہر میں گزارتا تھا ایک سال گرمی میں بادغیس کو گیا جو کہ ہرات میں ہے اور گرمی کے بعد بھی وہیں رہگیا کیونکہ ہرات کے ہر موسم میں جذاب چیزیں بہت ہیں چار برس تک بادشاہ وہیں رہا امراء اور لشکر غریب الوطنی میں تنگ آ گئے لیکن کسی کو جرات نہ ہوئی کہ شاہ سے واپسی کی استدعا کرے آخر امراء کو یہ تدبیر سوجھی کہ رودکی کو پانچ ہزار دینار اس شرط پر دینے کا وعدہ کئے کہ وہ بادشاہ کو بخارا جانے پر راضی کرے اوس نے ایک قصیدہ بخارا کی تعریف میں کہکر صبح کے وقت جب بادشاہ صبوحی کیا تھا اپنی آواز سے گایا اور چنگ میں بھی بجا نصر میں بخارا کی یاد اتنی تازہ ہوگئی کہ وہ فوراً اوٹھ کر بہرہ گھوڑا پر بغیر موزہ اور ران پیچ کے جو کہ سواری کے لئے ضروری تھے سوار ہوکر چار کوس کے فاصلہ پر جاکر دم لیا اور وہاں سے سیدھا بخارا چلا گیا اوس قصیدہ کے بعض اشعار

جو ہم کو پہونچے یہ ہیں سنئے ۔

بوی جوی مولیان آید ہمی   بوی یار مہربان آید ہمی

ریگ آموے و درشتی راہ او   زیر پایم پرنیان آید ہمی

آب جیحون از نشاط روے دوست   خنگ ما را تا میان آید ہمی

اے بخارا شاد باش و دیر زی   میر زی تو شادمان آید ہمی

میر ماہست و بخارا آسمان   ماہ سوے آسمان آید ہمی

میر سرو است و بخارا بوستان   سرو سوئے بوستان آید ہمی

افرین و مدح سود آید ہمی   گر بگنج اندر زیان اید ہمی

ہر چند اشعار مذکور استادانہ ہیں لیکن پھر بھی سادے ہیں اون میں صنائع شعری اتنے نہیں ہیں کہ اون کو جذاب بنا دیں لیکن رودکی کا عمدہ گانا اور ماہرانہ چنگ میں بجانا اور بادشاہ کو شراب سے سرمست ہونا اور جنگل کی لطافت اور بہار کی ہوا یہ سب ملکے سادہ اشعار کو سحر ہی بنا دے کوئی معمولی شعر اگر گایا بجایا جائے تو اوس کا اثر دس برابر

ہو جاتا ہے عام طور سے گانے والے بے علم ہوتے ہیں اور وہ معمولی سادہ اشعار کو حفظ کر کے گاتے بجاتے ہیں پھر بھی سننے والوں میں وہ اشعار بڑا اثر کرتے ہیں مجھے یاد ہے کہ ایک وقت میرے ایک شاعر دوست کے پاس ایک زبردست قوال نے حافظ کی وہ غزل جس کا مطلع یہ ہے۔

غلام نرگس مست تو تاجدارانند خراب بادۂ لعل تو ہوشیارانند

گایا جس سے مجھ میں اتنا اثر ہوا کہ ایک ہفتہ تک بار بار حافظ کا دیوان کھول کر غزل کو پڑھتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں کبھی اوس سے پیشتر اس غزل کو دیوان میں دیکھا ہی نہیں تھا مولف چہار مقالہ نے رودکی کے اس قصیدہ کو فن شعر میں بے نظیر اور نصر کے تاثر کو قصیدہ ہی کی وجہ سے سمجھا۔ دولت شاہ سمرقندی اپنے تذکرہ میں حیرانی کا اظہار کیا کہ ایک سادہ قصیدہ سے اتنا بڑا اثر کیوں ہوا دونوں کا جواب میں نے عرض کر دیا کہ نہ قصیدہ کوئی اعلیٰ درجہ کا ہے اور نہ اثر خالص قصیدہ کا ہوا بلکہ موسیقی اور رام الخبایث

اور ماحول کا دخل بھی تھا فردوسی کے خدائی سخن ہونے تک رودکی خدای سخن تھا اور ہر موضوع میں اوسکے اشعار لفظاً ومعناً اچھے اور مقبول عام تھے نصیحت میں لکھا ہے۔

زمانہ پندی آزادہ وار داد مرا زمانہ را چو نکو بنگری ہمہ پند است
بروز نیک کسان گفت غم مخور زنہار بسا کسا کہ بروز تو آرزومند است

ایضاً

تا کے گوئی کہ اہل گیتی در ہستی و نیستی لئیمند
چون تو طمع از جہان بریدی دانی کہ ہمہ جہان کریمند

اپنی پیری کے زمانہ کے بارے میں لکھا ہے

مرا بسود و فرو ریخت ہرچہ دندان بود نبود دندان لابل چراغ تابان بود
سپید سیم رده بود و در و مرجان بود ستارہ سحری بود و قطرہ باران بود
یکی نماند کنون بل ہمہ بسود و بریخت چہ نحس بود ہمانا کہ نحس کیوان بود
نہ نحس کیوان بود و نہ روزگار دراز چہ بود منت بگویم قضای یزدان بود

همی نمانی اے آفتاب تمالیہ بوی　که حال بنده ازاین هشیپ بر چه سان بود

شدان زمانه که رویش بسان دیبا بود　شدان زمانه که مویش برنگ قطران بود

دو زلف چوگانش بازش همی نمود بروے　ندیدی او را آنگه که زلف چوگان بود

نبید روشن و دیدار خوب روے لطیف　کجا گران بدزی من همارہ ارزان بود

دلم خزانہ پُر گنج بود و گنج سخن　نشان نامۂ مهر و شعر عنوان بود

بسا دلا که بسان حریر کرده بشعر　ازان سپس که بکردار سنگ و سندان بود

بدان زمانه ندیدی که زی جمن رفتی　سرود گویان گوئی هزار دستان بود

شد آن زمانه که شعر در جهان بنوشت　شد آن زمانه که او شاعر خراسان بود

کرا بزرگی و نعمت زاین و آن بودی　ورا بزرگی و نعمت ز آل سامان بود

بداد میر خراسانش چل هزار درم　ازو فزونی یک پنج میر ماکان بود

میں سمجھتا ہوں رودکی کے سمجھنے کے لیئے جو کچھہ میں نے اوس کے اشعار بیان کیا کافی ہے۔ یہیں کا قصیدہ ضرور اوس کا ہے کیونکہ اوس میں تاریخی واقعہ بتایا گیا ہے کہ جب وہ کتاب کلیلہ دمنہ کو نظم کر دیا تو بادشاہ اوس کو

چالیس ہزار درم صلہ عطا کیا اور ماکان کاکی بھی جو کہ امرا میں سے تھا پانچ ہزار درم عطا کی۔ اوس کا سحری قصیدہ بھی جو کہ نصر کو ہرات سے بخارا تک دوڑ آتا ہوا لے گیا اوسی کا ہے باقی اشعار جو کہ اوس کے چھوٹے دیوان میں ہیں مشکوک ہیں کیونکہ اوس میں قطران کے اشعار کے علاوہ شاید رودکی کے معاصرین کے اشعار بھی شامل ہیں۔ ہم مختصر نمونے سے بھی اوس کی شاعری پر رائے قائم کر سکتے ہیں کہ وہ بڑا استاد اور حقیقت میں خدای سخن تھا۔ اوس کی پرگوئی کا یہ حال ہے کہ عوفی ہو لباب الالباب لکھتا ہے کہ اوس کے اشعار کے سو دفتر تھے اور رشید سمرقندی اوس کے اشعار کے تعداد کے بارے میں لکھتا ہے

شعر اورا برشمردم سیزده ره صد ہزار ہم فزون آید اگر چونانکہ باید بشمری

اس شعر کے دو معنی ہوتے ہیں ایک یہ کہ میں نے رودکی کے اشعار کو تیرہ وقت گنا ہر وقت ایک لاکھ نکلے اس معنی میں اوس کے اشعار کے تعداد ایک لاکھ تھی۔ دوسری معنی یہ کہ میں نے اوس کے اشعار

کو گنا تو تیرہ لاکھ نکلتے لیکن یہ معنی بعید ہے کیونکہ اگر اوس کے معمولی الفاظ بھی شعر ہوتے تو اتنے نہ ہوتے۔ رودکی غزل کا ایک معیار قایم کیا تھا جو کہ اوس کے بعد مدتوں تک رہا عنصری کہتا ہے

غزل رودکی وار نیکو بود — غزلہای من رودکی وار نیست
اگرچہ بکوشم بباریک وہم — درین پردہ اندر مرا بار نیست

دقیقی اوس کے قصیدہ گوئی کی تعریف میں کہتا ہے۔

کرا رودکی گفتہ باشد مدیح — امام فنون سخنور بود
دقیقی مدیح آورد نزد او — چو خرما بسوے ہجر بود

رودکی کا شاہکار کتاب کلیلہ دمنہ کا نظم تھا جو کہ بحر رمل میں مولانا رومی کی مثنوی کے وزن پر تھا وہ اس وقت مفقود ہے اوس کے تھوڑے اشعار سند کے طور پر لغت الفرس اسدی طوسی میں جو کہ پانچویں صدی کے وسط میں تالیف ہوئی آگئے اور چار برس پیشتر طہران میں ایک فاضل سعید نفیسی کو ایک کتاب تحفۃ الملوک مل گئی جس میں بھی

اوس کے بعض اشعار ہیں کلیلہ و منہ اصل سنسکریت میں تھی جسکا ایک حصہ ابتک
بنام پنچ تنترہ (पञ्चतन्त्र) باقی ہے انوشیروان عادل کے
زمانہ میں اوس کا طبیب برزویہ اوس کو پہلوی میں ترجمہ کیا دوسری صدی
ہجری میں ابن المقفع پہلوی سے عربی میں ترجمہ کیا۔ نصر بن احمد بادشاہ سامانی
کے حکم سے جو کہ چوتھی صدی کے ابتداء میں تھا عربی کا ترجمہ فارسی میں کر کے
رودکی کو نظم کرنے کے لئے دیا گیا اس وقت پہلوی اور فارسی ترجمہ
اور رودکی کی نظم تینوں مفقود ہیں ابن المقفع کا عربی ترجمہ باقی ہے
غزنویوں کے اواخر زمانہ میں ابوالمعالی نصر اللہ منشی نے عربی سے فارسی
میں ترجمہ کر دیا جو کہ ابتک کلیلہ و منہ کے نام سے موجود ہے۔ نویں صدی
کے اخر میں ملا حسین کاشفی کلیلہ و منہ نصر اللہ کو اپنے زمانہ کے ادبی فارسی
میں لا کر اوس کا نام انوار سہیلی رکھا جو کہ ابتک فارسی ادب میں ایک
مہم کتاب ہے میں نے سب کو پنچ تنترہ سے مقابلہ کیا متعدد جگہ اختلاف
ہے اور پنچ تنترہ میں جو سنسکریت کے عمدہ اشعار ہیں وہ ترجموں میں

نہیں آئے پس معلوم ہوتا ہے بزرد یہ نے پہلوی ترجمہ میں گرادیا ہے میرا ارادہ ہے کہ جب دیگر علمی شغلوں سے فراغت ہوجائے تو نیچہ تنترہ ہی کو فارسی شعر میں ترجمہ کردں تاکہ رودکی کے گم شدہ کتاب کا نمونہ وجود میں آئے کلیلہ دمنہ دنیا کے سب افسانوں سے زیادہ دلپذیر اور اخلاق آموز ہے اوس مینہ میں جتنے کام کیا جائے بجا ہے نمونہ کے طور پر لغت الفرس سے کلیلہ دمنہ کے دو شعر عرض کرتا ہوں۔

شب زمستاں بود و کپی سرد یافت		کرمک شب تاب ناگاہی بتافت

کپیان آتش ہمی پنداشتند		پشتہ ہیزم بدو بر داشتند

یہ دو شعر کلیلہ دمنہ کی اوس حکایت میں ہے کہ ایک جاڑہ کی رات میں بندروں کو جنگل میں بہت سردی معلوم ہوئی تو وہ ایک جھاڑ کے نیچے لرزتے تھے اور پریشان تھے کہ کس طور سے انگار حاصل کرکے خود کو گرم کریں جھاڑ پر چڑیاں آرام سے اپنے گرم گھونسلے میں سے جھانک کر بندروں کو دیکھ رہے تھے چڑیوں میں سے ایک نے کہا تم بڑے جانور ہو تم کو ہم سے زیادہ عقلمند ہونا چاہئے کیوں اپنی سردی اور بارش کے زمانہ

کے لئے گھر نہیں بناتے ہو بندروں کو غصہ آیا لیکن وہ چڑیوں کو کچھ
نہیں کر سکتے تھے۔ اتنے میں بندروں نے ایک جگنو کو دیکھکر اوس
کو انگار سمجھکر لکڑیاں اوس پر رکھکر پھونکنے لگے ایک چڑی اوپر سے نیچے اتری
کہ اون کو سمجھادے جس کو وہ انگار سمجھے جگنو ہے۔ بندروں نے
اوس کو چیر پھاڑ کر پھینک دیا۔ کرم شب تاب اصل سنسکرت میں کہدیوت
(खद्योत) ہے۔ کھ (ख) کی معنی ہوا اور دیوت
(द्योत) کی معنی روشنی دینے والا۔ رودکی کے نظم کا ماخذ
ابن مقفع کا عربی ترجمہ ہے جس میں یراعہ لکھا ہے اور اس وجہ سے
کہ یراعہ کی معنی عربی میں بدنال بھی ہے تو ملا حسین کاشفی اپنی کلیلہ دمنہ
(انوار سہیلی) میں اس موقع پر لکھا ہے کہ بندروں نے ایک پارہ بدنا
کو انگار سمجھکر اوس پر لکڑیاں ڈال دیا۔ اس وجہ سے کہ میں فارسی لغت
لکھہ رہا ہوں اور ہر فارسی لفظ کا رشتہ پہلوی اوستا اور سنسکرت میں
دھونڈنا پڑتا ہے تو مجھے یہ غلطیاں معلوم ہوتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے ہم

بارہ سو برس سے کلیلہ و دمنہ ہی کہتے آئے ہیں لیکن جب میں یہ دو لفظ
کو سنسکریت میں دیکھا کہ وہ کرتکہ و دمنکہ دو کولوں کے نام ہیں جو کہ اوس قصہ
کے ہیرو ہیں تو اسمیں غور کرنے لگا کہ کرتکہ کیا کلیلہ ہوگیا اور دمنکہ دمنہ آخر کشف
ہوگیا کہ بزرویہ طبیب سنسکریت سے پہلوی میں اصل الفاظ (و ا ...) لکھا
لیکن پہلوی خط میں راد اور لام کی ایک ہی علامت (ا) ہے جسکو ابن
مقفع لام پڑھا اور پہلوی میں کاف آخر ھا بھی پڑھا جاتا ہے تو ابن
المقفع عربی خط کوفی میں کلیلہ و دمنہ لکھدیا اوس کی کتاب کے پڑھنے
والے خط کوفی میں نقطہ نہ ہونے کیوجہ سے دونوں کو عربی الفاظ سمجھے
عربی میں دمنہ ایک لفظ ہے جس کی معنی پرانا کینہ بھی ہے یہ معنی اوس
کولہ کے اخلاق کے موافق ہے جو اوس قصہ میں ہے لہذا یقین کرلئے
کہ ابن مقفع دمنہ ہی لکھا اور کلیلہ کو کلیلہ یعنی عاجز پڑھے جو کہ اوس کولہ
کے اخلاق کے مطابق ہے جو کلیلہ و دمنہ کے قصہ میں ہے یہ غلطی فردوسی
اور رودکی سے پیشتر عام ہوگئی تھی کہ رودکی کہتا ہے۔

دمنہ را گفتا کہ تا این بانگ چیست با نہیب و سہم این آوای کیست

اور فردوسی لکھتا ہے

کلیلہ بتازی شد از پہلوی بدین سان کہ اکنون ہمی بشنوی

اب اس تحقیق کے بعد مجھے امید ہے کہ نصر اللہ منشی کی کتاب کے نام آئندہ طبعوں میں کلیلہ دمنہ ہوگا اور اوس کتاب میں جہاں یہ دو لفظ آئینگے صحیح لکھے جائیں گے نیز انوار سہیلی میں رودکی کی کلیلہ دمنہ گم ہوجانا فارسی ادب کا بڑا نقصان ہے اب میں ذرا آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ رودکی اور دوسرے سامانی عہد کے شعراء کے اشعار گم ہوجانے کے اسباب کیا تھے سامانی نوبادشاہوں نے ایک سو دو برس خودمختارانہ سلطنت کیا اوس سے پیشتر بھی اسی برس ما وراء النہر میں حکومت کی اون کے زمانہ میں کم سے کم ایک ہزار عمدہ شاعر پیدا ہوگئے ہوں گے جن کے اشعار بغیر شاہنامہ اور یوسف زلیخا کے سب نذر عدم ہوگئے اور بہت سوں کے نام تک ہمکو نہیں پہونچے یہ میرا سوال

ہے اور میں اوس پر برسوں حیران رہا شاید آپ یہ جواب دینگے کہ
چنگیز کے حملہ سے ایران میں علماء کا سب قتل عام ہوگیا تھا شہر
منہدم کر دے گئے کتابیں تباہ کردی گئی اس وجہ سے چنگیز کے
قتل عام کے بعد نہ ایران میں قدیم کتابیں رہیں اور نہ قدیم علوم۔
اس جواب پر میرا یہ اعتراض ہے کہ چنگیز سے پیشتر کی بہت سے کتابیں
ہم کو پہونچ گیئں اون میں سے فردوسی کے شاہنامہ اور یوسف
زلیخا نظامی کے خمسہ خاقانی ظہیر سنائی وغیرہ کے کلیات سب بچ گئے اور
کلیلہ دمنہ کا نثری ترجمہ بھی بچگیا تو کیا سبب تھا کہ سامانی عصر کے اشعار
سب تباہ ہوگئے اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ قانون بقاء اصلح
(survival of the fittest) سے تھا کیونکہ
اون کے بعد اون سے اچھے اشعار نکلے جو اصلح تھے رہگئے
اور جو نہیں تھے تو لوگوں کے قابل توجہ نہ ہونے سے عدم کی راہ
لئے اس کا جواب یہ ہے کہ سامانی عصر کے شعراء بعد کے شعراء سے

کم نہیں تھے بلکہ بعض جیسے رودکی اون سے اچھے تھے اور بعد کے
شعراء اونکو اپنا استاد سمجھتے تھے خصوص رودکی کی کلیلہ دمنہ بے
نظیر تھی جس کا جواب اتبک نہیں ہوا۔ سب کو میں بتاؤنگا لیکن اول
مجھے ایرانیوں کی خاص صفت بتانا ہوگا ایرانی ہمیشہ ابن الوقت
رہے ہیں یعنے اپنے ہی زمانہ کو دیکھتے ہیں ایک زمانہ کے ایرانی
کبھی اپنے پیشتر زمانہ کے ایرانی کو نہیں پوچھتے تھے اون کے علوم
و آثار کی حفاظت نہیں کرتے تھے اگر سلطنت ایک خاندان سے
دوسرے خاندان میں جاتی تھی تو دوسرے پہلے خاندان کو بھول ہی جاتے
اوس کی اچھی چیزوں کی حفاظت بھی نہیں کرتے تھے مثال کے
طور پر ایران کی تاریخ کو ملاحظہ کیجئے میلاد مسیح سے چھ سو سال
پیشتر ایران میں کیانی (ہخامنشی) خاندان کی سلطنت تھی وہ اتنی
وسیع تھی کہ عراق و شام و ایشیای کوچک کے علاوہ یورپ کا ایک
حصہ اون کی عملداری میں تھا اون کا ایک بادشاہ کوروش جس کو

انگریزی میں سیرس (Cyrus) کہتے ہیں تاریخ عالم کا اول
جہانگیر تھا جو کہ ساتھ مختلف قوموں پر قانونی حکومت کرتا تھا اور
دنیا کو مسلم ہے کہ اسکندر اور بعد کے رومی سلطنت اور موجودہ
یوروپی حکومتیں اپنی شاہنشاہی حکومت کو اوسی سے سیکھے ہیں
اوس وقت علوم وفنون ایران میں درجہ کمال پر تھا ابھی یونان
میں فیثاغورث، سقراط، افلاطون، ارسطو وغیرہ پیدا نہ ہوے
تھے اور جب پیدا ہوئے تو اوسی کیانی سلطنت کے زمانہ میں۔
کیانی عصر کا خط جس کو ہم اس وقت خط میخی کہتے ہیں اور ایران
کے پہاڑوں اور ویرانہ قصروں میں کیانی کتبہ اوسی خط میں موجود
ہیں بہت سادہ اور علمی تھا وہ ایک ہی خط مستقیم سے مرکب
ہوتا تھا۔ خدا جانے اوس وسیع اور علمی سلطنت میں کتنے ہزار
کتابیں مختلف علوم وفنون میں تالیف ہوے تھے اسکندر
مقدونی ۳۳۲ (تین سو بتیس) قبل المیلاد میں ایران کو فتح کر کے

اوس خاندان کا خاتمہ کردیا اسی برس کے بعد ایران میں اشکانی خاندان
کی سلطنت واسغان میں قائم ہوگئی اب یہ نئے خاندان کو خوف ہوگیا کہ کیانی
خاندان کے لوگ ایران کے گوشہ کنار میں موجود ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ
سلطنت کا دعوی کریں اور ایرانی کیانی سلاطین کی خوبیوں کی وجہ سے اونکو
مان لیں مناسب یہ ہے کہ کیانیوں کے سب علوم و فنون اور آثار کو
محو کردیں چنانچہ ایسا ہی کئے اور سب میں بڑی تدبیر یہ کئے کہ خط میخی کو منسوخ
کر کے اوس کے جگہ پر یونانی خط لئے اور اونکے اخیر زمانے میں پہلوی
خط نکلا جو کہ سامی خط سے لیا گیا تھا ایرانی جو ابن الوقت تھے اور فطرت
میں شاہ پرست چپ بیٹھے بلکہ اپنے زمانہ کے اشکانی بادشاہوں کے خوش
کرنے کے لئے اگر بادشاہ ایک کیانی اثر کو محو کرتا تھا وہ دس کرتے
تھے اشکانی بادشاہ از سر نو ایرانیوں کے لئے علوم و فنون مرتب کئے
لیکن کس طور سے یونانی زبان میں جیسا آپ لوگ عثمانیہ یونیورسٹی سے
پیشتر علوم کو انگریزی میں پڑھتے تھے ایرانی اوس وقت یونانی میں پڑھتے

تھے اور سلطنت کے سکہ پربھی یونانی خط کندہ تھا۔ جب ساسانی خاندان
اشکانیوں کے جانشین ہو گئے تو بھی ویسا ہی کر دئے یہانتک کہ اشکانیوں
کو اپنی تاریخ میں ملوک الطوایف ضبط کئے حالانکہ وہ بڑے بڑے
شاہنشاہ تھے ساسانی عصر میں ایران میں علوم وفنون کی تجدید ہو گئی
اور پہلوی زبان میں کتب کی تالیف وتصنیف ہوئی جب عرب
مسلمان ایران پر قبضہ کر کے ساسانی سلطنت کا خاتمہ کر دئے
تو ابن الوقت ایرانی عربوں کے خوش کرنے کیلئے اپنے پہلوی
خط کو عربی خط سے بدل دئے اور اپنے سابقہ علوم وفنوں سے
دست بردار ہو گئے جب پہلوی خط کے پڑہنے والے مر گئے تو
ان کے اولاد جو کہ عربی خط ہی کو جانتے تھے پہلوی کتابوں کو پھینک
ڈالے اور اب ہم اپنے اجداد کی غلطی چھپانے کیلئے عربوں پر تہمت
لگاتے ہیں کہ وہ ہماری کتابوں کو جلاڈالے اب ہمارے زمانہ کے
چشم دید واقعات دیکھئے کہ قاجاری بادشاہ صفوی سلاطین کے سب

اثار کو محو کر دئے جو عمارت لاکھوں روپئہ سے تیار ہوئی تھی معدودے
روپیوں میں بیچڈالتے تھے اس شرط پر کہ خریدنے والا اوس کو گرا کے
اوس کے مصالح دوسری جگہ پر کام میں لادے
صفوی عصر میں شاعری انتہائے کمال کو پہونچی تھی لیکن قاجاری
بادشاہ فتح علی شاہ متخلص بخاقان شاعر نیکے دربار کو شعراء سے بھر دیا
صرف اس مقصد کے لئے کہ ایران میں صفوی اسلوب شعر کو جو کہ
حقیقی شاعری تھی ایک سادہ شاعری سے بدل دے نتیجہ یہ ہوا کہ
صفوی شعراء گم نام ہو گئے اور اون کے دوادین بھی مفقود۔
اس میں شک نہیں کہ ایرانی بافہم و ذکاء میں اون کو ہر قسم کے علم سے
مناسبت ہے جلد ترقی کرتے ہیں لیکن اپنے سر کو اپنے پیش پا سے پلٹا
کے پیچھے نہیں دیکھتے ہیں یونانی کبھی اپنے خط کو نہیں بدلے نتیجہ یہ ہوا
کہ اون کے قدیم سے قدیم علوم اب تک محفوظ ہیں۔ رومی اپنے خط لاتینی
کو نہ بدلے لیکن ایرانیوں نے کئی وقت اپنے خط کو بدل کر اپنے

سب علوم و فنون کو تباہ کر دئے اور آج ایران کی قدیم تاریخ سمجھنے
کے لئے ہم کو لاطین اور یونانی ادبیات کو دیکھنا پڑتا ہے ایرانیوں کا
ابن الوقت ہونا اس حد تک ہے کہ ہر قدیم قوم میں سن تاریخ تھا یہودیوں
کے پاس تھا رومیوں کے پاس تھا ہندؤں کے پاس تھا لیکن ایران
میں جو بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا اوس کی جلوس اون کی تاریخ تھی جیسا
سال اول جلوس سال دوم جلوس وغیرہ جب دوسرا بادشاہ تخت
پر بیٹھا تو اول کو چھوڑ کر دوسرے کی جلوس کو مبدء تاریخ بناتے تھے
اور جب یزدجرد کے بعد ایران عربوں کے ہاتھ میں آیا تو وہی
جلوس یزدجرد مبدء تاریخ رہگئی اگر اوس کے بعد دوسرا کوئی ایرانی
بادشاہ ہوتا تو یزدجردی تاریخ کو چھوڑ کر اوس کو لے لیتے۔ اب یہ
سب مقدمہ تھا اس بات کے لئے کہ سامانی عصر کے اشعار کی تباہی کا
سبب غزنوی بادشاہوں کی رقابت تھی کہ سامانی آثار محو ہو جائیں تاکہ اوس
تاریکی میں وہ خود چمکیں محمود اپنے دربار کو شعراء اور علما سے اسوجہ

سے بھر دیا کہ سامانی شعراء اور علماء گمنام ہوجائیں شاہ پرست اور
ابن الوقت ایرانی بھی اوس کے خوش کرنے کے لئے سامانی
علماء اور شعراء کے طرف منھ نہ پلٹائے اور اون کی کتابوں کی
حفاظت نہ کرے یہانتک کہ وہ تلف ہو گئے۔ فردوسی کی خوش قسمتی
تھی کہ وہ محمود کے زمانہ کو بھی دیکھا اور سمجھ گیا کہ اوس کا شاہ نامہ
کلیلہ دمنہ کا ہم سفر ہوجائیگا اس وجہ سے وہ اوس سے سامانی شاہوں
کا نام نکال دیا اور محمود کے نام کے کچھ اشعار اضافہ کر کے غزنی
کے دربار میں پیش کر دیا وہی اوس کے بقاء کا سبب ہوا ہرچند فردوسی
کو محمود سے کچھ مالی فائدہ نہ ہوا شاہ نامہ کے بعض نسخے سے جو کہ برٹش
میوزیم میں ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ نامہ سن تین سو چوراسی
(۳۸۴) میں ختم ہوگیا داستان یزدگرد کے آخیر میں یہ اشعار ہیں۔

سر آمد کنون قصۂ یزدگرد بماہ سپندار مذ روز ارد
زہجرت شدہ سیصد از روزگار چو ہشتاد و چار از بر شش ہزار

اوس سال میں نوح ابن منصور سامانی بادشاہ تھا اور سبکتگین محمود غزنوی کا باپ سپہ سالار محمود کا اوس وقت کوئی نام نہ تھا۔ ممکن ہے کہ اوس شاہنامہ میں نوح کا نام تھا جس کو فردوسی سامانیوں کے انقراض کے بعد نکالا ہوگا برٹش میوزیم میں اور نسخہ بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فردوسی پانچ برس کے بعد یعنے سن چارسو نواسی (۳۸۹) میں اصفہان میں تھا اوشاہنامہ کے نسخہ کے آخر میں کچھہ اشعار بڑہا کے اوس کو خولنجان کے رئیس احمد بن محمد بن ابی بکر اصفہانی کے نام سے کر دیا خولنجان جس کا کتابی نام خان لنجان ہے اصفہان کے قریب ایک بلوک یعنی تحصیل داری ہے اور اوس وقت وہاں ایک قصبہ تھا اوس تاریخ میں سامانی بادشاہ عبدالملک بن نوح تھا جو کہ ایک برس کے بعد مقید ہوگیا اور اوس سے سامانی خاندان کا خاتمہ ہوگیا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب شاہنامہ تین سو چوراسی (۳۸۴) میں ختم ہوگیا تو کیوں فردوسی اوس کو سامانی بادشاہ کی

پاس نہیں لے گیا جواب واضح ہے کہ سامانی سلطنت کے تنزل
کا زمانہ تھا اور فردوسی جانتا تھا کہ عنقریب انقراض آنیو لا ہے
اس وجہ سے کتاب کو لے کر سامانی عملداری سے باہر کوئی لائق آدمی
کو ڈہونڈہا اوس کو خولنجان کا رئیس مل گیا۔ اب یہاں ایک اعتراض
رونما ہوتا ہے کہ اوس تاریخ میں بویہی خاندان جو کہ ایرانی تھے ایران
کے بڑے حصہ پر خود مختار حکمراں تھے اور خود بغداد میں اون
کی حکومت تھی پہر کیوں فردوسی اپنی کتاب کو اون کے درباروں
میں نہیں پہونچایا اور اون کے نام سے نہیں کر دیا۔ بغداد میں بہاء
الدولہ مالک خلافت تھا شیراز میں صمصام الدولہ بادشاہ تھا اور اصفہان
میں فخر الدولہ یہ سب بویہی تھے فردوسی کا اون کے پاس نہ جانے کا سبب
یہ تھا کہ فردوسی خراسانی اور سامانیوں کی رعیت تھا اور ضرور یہ بھی مشہور
ہوگیا ہوگا کہ وہ شاہنامہ کو سامانی بادشاہ کے نام سے لکھا تھا اوس حالت
میں فردوسی کو امید نہیں تھی کہ ایک رقیب سلطنت سے اوس کو اوس کے

کام کا صلہ مل جائے اور اس رقابت کیوجہ سے محمود غزنوی بھی اوس کی
قدر دانی نہیں کی جو کہ بعد میں عرض کیا جائیگا! ور دوسرا سبب یہ تھا کہ آل
بویہ کے ہاتھ میں خلافت کے سب کاروبار تھے جو کہ عربی میں چلتے تھے اونکی
سلطنت عربی ہی کہ طرف متوجہ تھی اور وہ خود گیلانی اور طبرستانی زبان میں
بات کرتے تھے اون کو فردوسی کی خراسانی فارسی سے دلچسپی نہیں تھی
اس نکتہ کو میں آیندہ لکچروں میں خاندان بویہی کے شعراء کے حالات بیان
کرتے وقت تفصیل سے بتاؤں گا۔ فردوسی کے خولنجان جانے کے برس
یعنے سن تین سو نواسی (۳۸۹) میں محمود کی شہرت ایران بھر میں ہو گئی کہ وہ
سامانی بادشاہوں کا جانشین ہو گیا خلیفہ القادر باللہ کیطرف سے اوس کو حکومت
خراسان کا فرمان مع علم خلعت فاخرہ اور تاج بھیجا گیا اور اوس کو یمین
الدولہ ولی امیر المومنین کا خطاب بھی دیا گیا۔ اوس خبر سے اول فردوسی
کو خوف ہو گیا ہو گا کہ سلطنت کی تبدیل سے ایرانی صفت کے مطابق اوسکا
شاہنامہ گمنام ہو جائیگا لیکن بعد میں اوس کو یہ تدبیر سوجھی کہ شاہنامہ

میں بعض اشعار تبدیل کر کے اوس کو محمود کے نام سے کر دے چنانچہ ویسا ہی
کر کے دوسرے سال یعنی سن چارسو (۴۰۰) ہجری میں شاہ محمود کی
خدمت میں پیش کر دیا شاہ نامہ کے بہت سے نسخوں کی آخر میں یہ اشعار ہیں
سر آمد کنوں قصۂ یزدگرد　　بماہ سپندار مذ روز ارد
زہجرت شدہ پنج ہشتاد بار　　کہ گفتم من این نامۂ شاہوار
پانچ ہشتاد چارسو ہے لیکن محمود کی رقابت کہ فردوسی سامانیوں کا شاعر ہے گوارا
نہ کیا کہ اوس کو کسی عمدہ صلہ سے سرفراز کرے۔ محمود کو خیال ہوا کہ شاہ نامہ
سامانیوں کے نام سے ہو کے رہے گا ہر چند محمود کا نام اوس پر ہو کیونکہ
وہ سامانی بادشاہوں کے زمانہ میں اور اون کا نوکر حسین قتیبہ حاکم طوس کے
خرچہ سے تیار ہوا۔ فردوسی کو رنج ہوا کہ جس کیلئے شاہ نامہ لکھا وہ تباہ
ہو گئے اور اب اون کے جانشین بھی قدر نہیں کرتا ہے تو وہ اپنے بخت
کی شکایت میں یہ دو شعر لکھا ہے۔
خجستہ درگہ محمود غزنوی دریا است　　چگونہ دریا کہ نرا کرانہ پیدا نیست

چہ غوطہا کہ زدم اندرون دیدم در　　گناہ بخت من است این گناہ دریا نیست

یہ ہے اصل واقعہ اور جو کچھہ شاہنامہ کے بایسنقری دیباچہ میں ہے کہ محمود کی خواہش سے فردوسی نے شاہنامہ لکھا اور جب اوس کو حسب وعدہ صلہ نہ ملا تو محمود کی ہجو لکھا یہ سب غلط ہے شاہنامہ ختم ہونے تک بھی فردوسی محمود کا نام نہیں سنا اور فردوسی سوزنیؔ انوریؔ طیانؔ شفائیؔ ذوقیؔ وغیرہ کے مثل ہجو گو نہیں تھا اگر ہوتا تو اوس کے شاہنامہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ایک بادشاہ کی زبان سے اوس کے رقیب بادشاہ کی کہیں ہجو لکھہ دیتا وہ ایک باہمت اور مربی اخلاق شاعر تھا جس کا شاہنامہ ایک قوم کو اعلیٰ خصائل حمیدہ انسانی تک پہونچانے کے قابل ہے ایسا شخص کیسے سفید جھوٹ کہہ سکتا ہے کہ محمود کو بخیل کہے حالانکہ اوس زمانہ میں ایران بھر کے علما اور شعرا محمود کی سخاوت سے فیضیاب ہوتے تھے اور وہ ہندوستان کے ہزاروں برس کی دولت کو ایران میں بخش کر دیا اوس کے دربار میں چارسو شاعر وظیفہ خوار تھے جیسا خود فردوسی نے لکھا ہے اوس کے بخت کا گناہ تھا کہ سامانی شاعر

ہونے کی وجہ سے محمود کی سیاست کے زد میں آیا تھا۔ اگر قصہ صحیح ہو کہ فردوسی
بہت غمگین ہوگیا تھا کہ اوس کی بتیس سالہ محنت شاقہ اشرفیاں نہ ملنے کی
وجہ سے رائگان گئی تو یہ فردوسی کی بڑی توہین ہے کہ ہ اول ہی سے اشرفیوں
کے لئے شاہ نامہ لکھا ہے اور جب نہ ملے تو محنت بیکار گئی۔ شاہ نامہ سے
اشرفیوں کی جہلک نہیں پائی جاتی ہے بلکہ اوس سے فردوسی کی بلند ہمتی اور وطن پرستی
پائی جاتی ہے وہ تو لکھتا ہے

پی افکندم از نظم کاخ بلند   کہ از باد و بارش نیابد گزند

اور قصہ لکھتا ہے۔

مرا شاہ نامہ پے اشرفی است   اگر اشرفی نیست شہ نامہ چیست

محمود کو بخل سے منسوب کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں ہے کیونکہ جو شخص نیچے درجہ
سے اعلے درجہ تک چڑہتا ہے جود وکرم ہی سے بڑہتا ہے اور دنیا کی
تاریخ میں جو شخص بڑا ہے اوسی سے بڑا یعقوب لیث ایک چھوٹا جست
گری کے دوکان سے تخت تک چڑہا سخاوت ہی سے تھا نادر شاہ اپنی

سلطنت میں بھی اپنے سپاہیوں کے ساتھ اون کا معمولی کھانا کھاتا تھا اور جو دولت اوس کو ملتی تھی اون ہی میں تقسیم کرتا تھا۔ اب ایک بہت بڑا نکتہ رہگیا ہے کہ قصہ مذکورہ کو کس نے جعل کیا تو اوس کا جواب وہی ہے جو میں نے عرض کر دیا کہ اوس کی ذمہ دار بھی ہماری ایرانی خاص صفت ہے۔ غزنویوں کے جانشین سلجوقی ہو گئے تھے اور ایرانی صفت کے مطابق غزنوی آثار کے محو کرنیکے درپے ہوے جیسا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ غزنوی شعرا کے اشعار کو نابود کر دئے اور اپنے لئے بہت سے نئے شعراء کی پرورش کی جب اونکو معلوم ہوا کہ فردوسی محمود سے ناراض تھے تو وہ محمود کی بدنامی کیلئے وہ سب قصہ بنا دئے اور چہار مقالہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مذکورہ قصہ زور پر تھا لیکن سلجوقی شاہوں کی رقابت فردوسی کیلئے خوش نصیبی کا باعث ہوا کیونکہ اگر محمود کے خراب کرنے کے لئے فردوسی کو نہ چمکاتے ہوتے تو اوس کے شاہ نامہ کو محمود کے شعراء کے اشعار کے ویسے نابود کر کے اپنے شعراء سے نیا شاہ نامہ لکھواتے۔

فردوسی اور شاہ نامہ کے متعلق ایک خاص ادبیات ایران ہند اور یورپ

کے مورخین کی کوشش سے تیار ہو گئے ہیں لیکن اوس زمینہ میں اور بہت کام
باقی ہیں یورپ کے مورخین شاہ نامہ کے اون نسخوں سے اپنی تحقیق کرلی
جوکہ یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہیں ویسے ہی ایران اور ہند کے
مورخین نے تہوڑے قلمی نسخوں سے کام لیا جوکہ اون کے دسترس تھے ۔
ہند میں شاہ نامہ کے ہزاروں قلمی نسخے ہیں ویسا ہی ایران میں اگر کوئی
ادیب مورخ برسوں ہند، ایران اور یورپ کے سب نسخوں کو دیکھکر
ایک نسخہ سے مقابلہ اور تحقیق کرے تو فردوسی اور شاہ نامہ کے
بہت سے حالات جو ابتک پردہ خفا میں ہیں روشنی میں جلوہ گر ہوجائینگے
اور شاہ نامہ کا ایک مکمل نسخہ بھی طبع کیلئے فراہم ہوجائیگا لیکن یہ کام برسوں
کا ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ وزارت معارف ایران یا جامعہ عثمانیہ
یا دونوں کے مشترکہ کوشش سے یہ مہم کام بھی انجام پائے فردوسی ایک
بین الاقوامی (International) شاعر ہے اوس
کے لئے جتنا کیا جائے بجا ہے ۔

اب میں سمجھتا ہوں کہ میری طولانی تقریر سے آپ تھک گئے ہونگے لیکن مجھے سامانی عصر کے بارے میں بہت کچھ کھنا ہے ابھی اسی عصر کے دوسرے شعراء باقی ہیں اور آپکو ایک اور غلطی سے بھی نکالنا ہے کہ سامانیوں کے زمانہ میں فارسی کی تجدید ہوئی کیونکہ میری نظر میں ان کے زمانہ میں فارسی زبان کی تجدید نہیں ہوئی یہ سب پانچویں تقریر میں انشاء اللہ تعالیٰ عرض کرونگا اب خدا حافظ۔



ریشہ زبان اردو

ریڈیو لکچر پنجم

ہندوستان میں بہت سی تکلمی زبانیں ہیں جن میں سے ایک اردو بھی ہے۔ یہ زبانیں دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو کہ آریائی ریشہ کے ہیں جیسے اردو، مرہٹی، گجراتی، بنگالی، ہندی وغیرہ اور دوسری وہ جو کہ دراوڈی ریشہ کے ہیں۔ جیسے تلنگی، ٹمیل، کنڑی، ملیالم وغیرہ ان ہر دو قسم کے زبانوں میں ایک زبان جس کا نام اردو اور ہندوستانی ہے ہند بھر کی عام زبان بن رہی ہے اور سب سے زیادہ اس میں علوم و فنون آگئے ہیں خصوص اعلیحضرت قدر قدرت سلطان العلوم خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہ نے اس سے دلچسپی لے کر اس کے لئے یونیورسٹی اور دارالترجمہ قایم فرمادیا ہے جس سے اردو کے ادبیات کمال کو پہونچ کر علوم و فنون سے مالا مال ہو جائیں گے اور اعلیحضرت کی دوسری

دلچسپی یعنے اردو میں استادانہ شعر فرمانا بھی اس سے کچھ کم فائدہ نہ دیگا۔ اردو کی شاعری
بالواسطہ عربی شاعری سے لیگئی ہے جو کہ قدیم اور جدید زبانوں کی شاعریوں
میں خاص امتیاز رکھتی ہے اور ایک قوم کی زندگی کے ہر حرکت وسکون میں
چسپان ہوسکتی ہے۔ اور اسی کی بدولت عربی فارسی اور اردو زبانوں میں
مرور زمانہ سے کوئی ذاتی تغیر نہیں ہوتا ہے بلکہ عوارض کے تغیرات ہوکے
زبان کی تکمیل ہوتی ہے ممکن ہے آپ ایک یوروپین عالم کی صحبت میں ایک
مہینہ رہیں اور اس مدت میں اس سے ایک شعر بھی نہ سنیں لیکن اگر بارہ گھنٹے
ایک جاہل اردو زبان کی صحبت میں رہیں تو ضرور دو تین شعر سنیں گے
ہماری زبانوں میں شعر کا نفوذ اعلیٰ ہے اور شعر ہی سے زبان شستہ
ہوکر زندہ جاوید بنجاتی ہے بخصوص جب شعر کلام الملک ہو تو اوس زبان کو
زبانوں کا بادشاہ ہی بنا کر چھوڑے گا۔

اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ ہندی زبانوں کا بادشاہ کہاں
سے آیا ہے اور اس کا رشتہ ایک ہی پرانی زبان سے ہے یا متعدد۔ عام طور پر

یہ تصور کیا جاتا ہے کہ اردو زبان کے تین رشتے ملتے ہیں تین مختلف زبانوں
میں یعنے ہندی، فارسی اور عربی۔ لیکن میں آج آپ کی خدمت میں یہ پیش
کرنا چاہتا ہوں کہ اردو زبان کا رشتہ ایک ہی زبان میں ہے خواہ آپ اس
کو عربی سمجھے یا فارسی و ہندی مثلاً آپ اردو میں کاٹ اور قطع کے الفاظ
استعمال کر کے تصور کرتے ہیں کہ کاٹ ہندی ہے اور قطع عربی جو کہ دو
مختلف زبانیں ہیں لیکن تعجب فرمائیں گے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ دونوں
کا رشتہ سنسکرت میں (کرت) (कृत्) ہے
اور انگریزی کٹ (cut) کا بھی وہی رشتہ ہے اور عربی
لفظ ختنہ اور فارسی لفظ کارد کا بھی وہی رشتہ ہے۔

آج میں یہ کوشش کروں گا کہ اردو کے تین قسم کے الفاظ یعنے عربی
فارسی اور ہندی کو سنسکرت تک پہنچا دوں جب آپ فارسی اور ہندی
الفاظ کے رشتوں کو سنسکرت زبان میں دیکھیں گے تو آپ کو تعجب نہیں ہوگا
کیونکہ سنسکرت اور اوستا آریا کے دو بہت ہی قدیم زبانیں ہیں اور ایران

و ہند و یورپ کے موجودہ ملکی زبانوں کے ریشے ان میں موجود ہیں قدیم
قوم آریا کی ایک زبان تھی جو کہ کھوگئی ہے اور اس کی اولاد سنسکرت اوستا لیتین
وغیرہ بطور کتابی زبانوں کے زندہ ہیں سب میں زیادہ سنسکرت مہم ہے جسمیں
اسماء کے معانی محفوظ ہیں اور آج ہم اسی سے کام لونگا۔ البتہ آپ کو اس پر
تعجب ہوگا کہ عربی الفاظ کے ریشے بھی سنسکرت میں ملیں یا یوں کہئے کہ سنسکرت
الفاظ کے ریشے عربی میں ہوں کیونکہ عربی زبان سامی زبان ہے جو آریا
زبانوں سے بالکل الگ ہے عربی زبان کے ریشے آشوری بابلی عبرانی ارامی
اور فنیقی زبانوں سے ملتے ہیں۔ اس مشکل کا حل یوں ہے کہ اصل میں سامی
اور آریائی زبانوں کے ریشے میں لوٹ نہیں تھی لیکن آریا نسل کے وہ لوگ جو کہ
ایران میں جا کر بسے تھے آشور اور بابل کے ہمسایہ ہوگئے تھے جن میں کہ
سامی نسل آباد تھی اور نتیجہ یہ ہوگیا کہ ایران کی آریائی زبان ان کی سامی
زبانوں میں خلط ملط ہوگئی خصوصاً جبکہ تین ہزار سال قبل کبھی آشور ایران
کے مغربی حصہ پر حکومت کی اور کبھی ایران آشور پر سلطنت کی اس کے

بعد کو روش اعظم جو کہ ایران کا کیانی بادشاہ تھا بابل کو بھی فتح کر لیا۔ ادھر ایران میں آریائی اور سامی زبانیں مخلوط ہو گئے۔ اور دوسری طرف ایران و ہند کے درمیان میں اس وقت تجارتی اور سیاسی تعلقات قائم تھے جن کی وجہ سے ہند کی قدیم زبان سنسکرت میں سامی الفاظ بھی شامل ہو گئے۔ سنسکرت ادبیات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بابل و آشور کو ہند سے مستقیم تعلقات بھی تھے وید اور پرانوں میں دیوا اور اسورا لوگوں کی لڑائیاں بہت ہیں اور بسا اوقات اسورا لوگ غالب بھی ہو گئے تھے ممکن ہے اسورا وہی آشوری ہوں جو کہ خلیج فارس اور عمان کے دریائی راستہ سے ہند میں آکر حکومت کئے ہوں جس سے ان کی سامی (عربی) زبان کے الفاظ سنسکرت میں شامل ہو گئے ہوں گے۔ اب اس تمہید کے بعد میں اول اردو کے بعض عربی الفاظ کے رشتے سنسکرت میں بتاتا ہوں اس کے بعد فارسی و ہندی الفاظ کے رشتے بتلاؤں گا۔

لفظ عربی	لفظ سنسکرت	الفاظ سنسکرت سے اردو
آہ	आस्	آس
آفت	आपत्	آپت
ارث	औरस	اورس
بہا (درخشنی)	भा	بہا
جیش	जिष्ठ	جیشٹ[ل]
خراج	कृज	کرج
دینار	दीनार	دینار
ستر	स्तृ	ستر
شری (خریدنا)	क्रि	کری
تنک	आतङ्क	تنک
عین	नयन	نین

لفظ عربی	لفظ سنسکرت	الفاظ سنسکرت سے اردو
غرور	गर्व	گرو
کُل	आकुल	اکیل
مدینہ	मेदिनी	مدینی
مولیٰ	मौलि	مولی

اب اردو کے بعض فارسی اور ہندی الفاظ کے سنسکرت ریشے کو عرض کرتا ہوں اس طور سے کہ ہر فارسی لفظ کے ساتھ اوس کے ہم معنی ہندی لفظ کو بھی دیکر ان ہر دو کے ریشے نکالتا ہوں کبھی دونو کے سنسکرت میں ایک لفظ ریشہ ہے اور کبھی دو لفظ۔ قسم اول یہ ہیں

ل کیونکہ جی (जि) کے معنی فتح کرنا ہے اور شٹ (ष्ठ) کے معنی استاد بزرگ

لفظ فارسی	لفظ ہندی	لفظ سنسکرت	تلفظ لفظ سنسکرت در اردو
بر، بار	پھل	फल	پھل [1]
خواب	سونا [2]	स्वप	سوپ
گاو	گائے	गो	گو
آغاز	اگلا	अग्र	اگرہ
آب [3]	پانی	पानीयं अप	پانیم

[1] خود سنسکرت میں بھی پھ۔ ب سے بدلتا ہے اور لام ر سے انگریزی کا فروٹ (fruit) کا رشتہ بھی وہی پھل ہے کہ پھ ف سے بدل گیا اور لام (ر) سے اور حرف ت ملحق ہے جو سنسکرت میں (ت) ہوتا ہے جب اسم مفعول بنا

[2] نا علامت مصدر اردو ہے اصل لفظ سونے جو کہ سوپ کا مخفف ہے اور خواب سوپ کا مبدل ہے

[3] یہ دو مصدر پا (पा) سے ہے

لفظ فارسی	لفظ ہندی	لفظ سنسکریت	تلفظ لفظ سنسکریت در اردو
آز عه	آشا	आशा	آشا
شنیدن ۵۵	سننا	श्रु	شرو
بارش	برسات	वर्ष वृष्टि	ورش۔ ورشتی
پا	پاؤں	पाद	پادہ
پختن	پکوان	पच्-पक्व	پچ۔ پکوہ

اب وہ فارسی الفاظ اور اون کے مرادف ہندی الفاظ سنئے جو کہ ہر ایک سنسکریت کے الگ لفظ سے جا ملتے ہیں لیکن معنی ایک ہے

عه فارسی میں آز کی معنی میں تہوڑا فرق آیا ہے

۵۵ نا اردو مصدر کی علامت ہے اور دن فارسی مصدر کی اور حرف نون دونوں میں سنسکریت کے فعل مجہول کا آ

لفظ فارسی	ریشہ در سنسکرت	مرادف در ہندی	ریشہ در سنسکرت
آہن	(آیسم) आयस	لوہا	(لوہہ) लोह
پرکردن	(پرہ) पृ = पृ	بھرنا	(بھرہ) भृ
موش[1]	(موشہ) मूष	چوہا	(چور) चुर
رود[2]	(رو) रु	ندی	(ندی) नदि
آتش	(ہوتاشا)[3] हुताश	آگ	(اگنی) अग्नि

[1] یہ دونوں لفظ کے معنی چور ہے کیونکہ یہ جانور گھر کا چور ہے۔

[2] رود اور ندی دونوں کے معنی آواز دینے والے کے ہیں اور عربی لفظ

ندا کا ریشہ بھی وہی ہے۔

[3] ہوتاشہ کے معنے خورندہ قربانی کے ہے کیونکہ قدیم آریا لوگ قربانی کو آگ میں ڈالتے تھے۔

میرے اس مختصر ریشے تبانے سے سامعین
کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ جو فارسی اور عربی الفاظ اردو میں
ہیں وہ بھی مثل ہندی الفاظ کے بالکل ملکی ہیں اجنبی نہیں
ہیں آج کل ہند میں اردو والوں کا ایک اسکول ہے کہ
فارسی عربی الفاظ اجنبی ہیں ان کو اردو سے نکال کر ان
کی جگہ ہندی الفاظ بھرنا چاہئے یہ ان کی غلط فہمی
ہے کیونکہ اگر وسعت نظر سے دیکھا جائے تو
اردو کے فارسی عربی الفاظ کو ہند کی قدیم ترین
زبان میں پائینگے جیسا میں نے ابھی آپ کو بتلایا
اور اگر مجھے موقع ملے تو سب الفاظ کے ریشے تبا سکتا
ہوں ۔

اردو کی ابتدا و فارسی تنزل کا آغاز ہے یعنے جب کہ مسلمانوں
کی سلطنت مرہٹوں کے ہاتھوں سے تباہ ہو رہی تھی اس وقت مسلمان

مصلحت سمجھے کہ ہندوؤں سے ہم رنگ جماعت ہو کر اپنی فاتح زبان فارسی کو چھوڑ دیں لیکن بعد میں انگریزوں کی مصلحت یہ ہوئی کہ کلکتہ کے اسکولوں میں اردو کو ترقی دیں تاکہ فارسی کو پھر پلٹنے کا موقع نہ ملے۔ اس نئے اسکول سے اگر فارسی الفاظ اردو سے نکل جائیں تو فارسی کی آخری سانس اردو کا خط ہے جو کہ ضرور ناگری سے بدلے گا۔ اور فارسی ہند میں مرجائیگی لیکن مری تو تنہا نہیں بلکہ ہندی مسلمانوں کی قدیم عزت و جلال کو بھی لے کر مرے گی فقط

جب یہ کتاب زیر طبع تھی تو حیدر آباد کے ریڈیو اسٹیشن میں یوم غالب منایا گیا جس میں میری تقریر بھی غالب کی فارسی شاعری پر ہوئی جو یہاں درج کیجاتی ہے

ریڈیو لکچر ششم

غالب کی فارسی شاعری

بتقریب یوم غالب

حضرات! مجھ سے خواہش کی گئی کہ میں غالب مرحوم کی فارسی شاعری پر ریڈیو اسٹیشن حیدرآباد میں ایک مختصر تقریر کروں۔ میں نے اس خواہش کی تکمیل کو اپنا فریضہ سمجھا کیوں کہ غالب مرحوم فارسی شاعری میں ایک عالی مرتبت استاد تھے اونھوں نے فارسی ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ فارسی شاعری ہجری کی دوسری صدی میں عربی شاعری سے لی گئی اور اس بارہ صدیوں کی مدت میں اوس میں ہزاروں استاد نکلے جن میں نوابغ بھی تھے اور اسد اللہ خاں غالب ہندی بھی فارسی نظم و نثر کا ایک نابغہ تھا جس نے تیرہویں صدی کے وسط میں اپنی سحر بیانی سے فارسی والوں کی روح کو تسخیر

کام کیا تھا۔ یہ نابغہ اس وقت دربانی کرتا رہا جب کہ ہندیوں کی زبان
فارسی میں گنگ ہوگئی تھی لیکن دست و دماغ گویا تھے۔ جب مسلمان ہندوستان
میں فاتحانہ طور سے وارد ہوگئے تو اون کا تکلم فارسی میں ہوتا تھا اوسی میں سلطنت
کرتے تھے اور اسی میں اپنے کارنامے اور علوم لکھکر چھوڑ گئے جو آج ہمارے مایۂ
فخر ہیں۔ جب ایک ہندوی زبان یعنے اردو نے فارسی تکلم اور نثر کے گلے گھونٹ
ڈالے تو وہ فارسی شاعری پر ہاتھ نہ ڈال سکی اور اب تک اس زور و شور سے گائی
جاتی ہے جو کہ گزشتہ نو صدیوں میں تھی۔ اس وقت ہند میں ہزاروں فارسی
شاعر ہیں اور ان سب کے شہنشاہ بجا طور پر فرماتے ہیں کہ :۔

عثمان شنیدہ اہل عجم این کلام تو گویند تو ز ہند نہ از وطن بگو

میں بھی اہل عجم سے ہوں اور میرے دل میں یہی سوال پیدا ہوا تھا
لیکن جواب کو میں خود سمجھ گیا تھا کہ اعلیٰحضرت کے جد اعلیٰ خراسان قدیم کے
ایک شہر یعنے بخارا سے ہاتھ میں تلوار عباسی اور تیغ زبان پر فارسی لیکر دکن
کے فتح کرنے کے لئے تشریف لائے ایسی حالت میں فارسی سلطان العلوم

کے گھر کی بات ہے جس کی وجہ سے اون کے فارسی اشعار اتنے فصیح و بلیغ اور اعلیٰ ہیں۔

حضرات اس سے برا نہ مانئے گا کہ میں نے اردو کو ہندوی زبان لکھدیا ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ جب مرہٹوں کی قوت سے مسلمانوں کی شہنشاہیت کا شیرازہ بکھر گیا تو انہوں نے بمصداق "ہر نگ جماعت شو" کے صوبہ دہلی کی ہندوی زبان کو لیکر اوس میں فارسی و عربی الفاظ اضافہ کر کے فارسی خط میں لکھدیا اور نام ریختہ اور اردو رکھا۔ یہ خیال نہ کیجئے کہ میں اردو کا مخالف ہوں بلکہ میں بھی اس ہندو بچہ کا عاشق ہوں اب میں اپنے موضوع پر آتا ہوں۔

حضرات یہ خدا کی قدرت ہے کہ انسانوں کے بعض افراد میں کسی ایک خاص چیز میں غیر معمولی طاقت ہوتی ہے جس میں دوسرے افراد اوس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ایسے شخص کو انگریزی میں جینیس اور عربی فارسی میں نابغہ لکھتے ہیں اسد اللہ خاں غالب بھی فارسی شاعری میں ایک نابغہ گزرا

ہے اور دوسرے نوابغ جیسے رودکی ۔ فردوسی ۔ انوری ۔ خاقانی ۔ نظامی شمس
ظہیر ۔ سعدی ۔ حافظ ۔ نظیری ۔ عرفی ۔ ظہوری ۔ بیدل ۔ قاآنی وغیرہم کا ہوا
ہے تعجب یہ ہے کہ غالب صاحب فارسی شاعری کی جس شکل میں وارد
ہوگئے جیسے رباعی قطعہ مثنوی قصیدہ ۔ غزل اس میں ویسے ہی ماہر رہے
جیسے دوسرے شکلوں میں اور ان کی نثر بھی ویسی ہی نابغانہ اور فارسی شاعری
کے بے شمار موتی ہیں جو کہ نثر کی شکل میں پراگندہ ہیں ۔ مجھے غالب کی فارسی
شاعری سمجھانے کے لئے مختصر طور پر فارسی شاعری کے متعدد اسلوب
بتانے ہوں گے ۔ جب عربی شاعری فارسی میں آگئی تو اوس وقت عربی
شاعری علماء کے حلقے میں محدود تھی اور فارسی میں بھی ویسی ہی رہی ۔ ہجری کی
ساتویں صدی میں عربی خلافت کے ٹوٹ جانے سے اس کی شاعری
علماء کے حلقہ سے باہر ہوکر عوام اور بازاروں میں پھرتی رہی اوسی وقت
ایران کے ایک نابغہ ادب یعنے شیخ مشرف الدین ابن شیخ مصلح الدین
المتخلص بہ سعدی شیرازی برسوں عرب کی سرزمین میں پھرتے رہے اور اس

سادگی کے اثر سے سادہ اشعار لکھنا شروع کئے گو وہ خود علامہ تھے
لیکن عوام کے لئے اشعار لکھے ہیں۔ سعدی صاحب کے زمانہ میں ان
سے بہتر شعراء جیسے مجد ہمگر۔ امامی ہروی وغیرہ تھے جو علمی اشعار لکھتے تھے
لیکن بعد میں اسلوب بدل جانے کی وجہ سے وہ کم نام ہوگئے اور غنیمت
ہے کہ گمنام نہیں ہوئے۔ مجد ہمگر انکے مدحیہ قصیدہ میں لکھتا ہے۔

این پایہ سخن بس کہ بزرگان سخندان گویند کہ بر مجد سخن گشت مختتم
از سعدی مشہور سخن شعر روان جوی کو کعبہ فضل است و دلش چشمہ زمزم
کاین بندہ ہمی پیش گرفت است کز این پس نز مہر کند مدح و نہ از کینہ کند ذم

سعدی کے سادہ اشعار سے زبان اور قوم کو بہت فائدہ پہنچا اس
لئے کہ اس کے بہت سے اشعار بطور ضرب المثل ہمیشہ کے لئے فارسی زبان میں داخل ہوگئے
اور شعر پڑھنے اور لکھنے کا شوق ہر جاہل فارسی دان میں بھی پیدا ہوگیا اور
بازاریوں نے بھی فرصت کے وقت دوکانوں میں اشعار لکھنا شروع
کئے یہاں تک کہ شعر فارسی کے معشوق بھی بازاری بن گئے کہ ہر وقت ایک عاشق

کے پاس ہیں اور عاشقوں کو گالیاں دیتے پھرتے ہیں۔ یہ تو سعدی صاحب
کی شاعری کے فوائد تھے اور نقصان یہ کہ علما نے شعر کہنا چھوڑ دیا وہ یہ
گوارا نہیں کرتے تھے کہ ایک زند بازاری کے ہمدرجہ ہوں اور وہ بھی شاعر
کہلائے جائیں۔ ایک عرب شاعر کہتا ہے ولولا الشعر بالعلماء یذری
لکنت الیوم اشعر من لبید۔ یعنے اگر شعر کہنا علماء کے خلاف شان نہ ہوتا تو میں
شاعری میں لبید سے بھی بڑھا ہوا ہوتا۔

سعدی کے بعد حافظ نے شاعری کو علمیت کیطرف کسیقدر کھینچا لیکن اس
کے بعد اس میں عمومیت دوسو سال تک رہی جب کہ جامی نے غزل میں
تو سعدی کے اسلوب کو قائم رکھا لیکن مثنوی میں علمیت کی چاشنی ڈالدی
اور اسی زمانہ میں فغانی شیرازی نے غزل میں بھی اسلوب علمی کی تجدید کی
جو کہ دسویں صدی میں اصفہان اور دہلی میں کمال کے درجہ کو پہونچ گئی
جس میں نوابغ شعر جیسے شفائی محتشم۔ شانی۔ زلالی۔ ظہوری۔
نظیری۔ عرفی فیضی۔ صائب۔ وغیرہم دنیا میں چمکے یہی اسلوب غالب کے زمانہ

تک رہا۔ اور وہ اسی میں استاد ہے۔ وہی اسلوب ابتک ہند میں زندہ ہے لیکن ایران میں متروک ہو گیا جس کی وجہ سے غالب ایران میں زیادہ مشہور نہیں ہے۔ غالب ہی کے زمانہ میں ایران کا قاجاری بادشاہ فتح علی شاہ (جلوس ۱۲۱۲ ہجری) شاعر تھا اور شعراء کی پرورش بھی کرتا تھا لیکن قاجاری بادشاہ صفوی شاہوں کے آثار کے مٹانے کی کوشش میں تھے۔ وہ شفائی اور نظیری کے اسلوب کو اس وجہ سے پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ صفوی عہد میں پیدا ہوا لہذا انہوں نے سعدی کے سادہ اسلوب کی تجدید کی اور اس کو خوب پختہ کر کے ایران کی معیاری شاعری بنادی جو کہ اب تک ہے۔ غالب کا نابغہ معاصر قاآنی شیرازی ہے جو کہ ایرانی دربار کا بڑا شاعر تھا۔ اگر آپ دونوں کا مقابلہ کریں گے تو مشرق و مغرب کا فرق پائیں گے کیونکہ ہر ایک کا اسلوب خاص ہے۔ دوسرا فرق یہ ہیکہ قاآنی کے اشعار جلد سمجھ میں آجاتے ہیں اور غالب کے اشعار کا سمجھنا کار دارد۔ ایران کے موجودہ اسلوب میں فصاحت

زیادہ اور بلاغت کم اور صفوی اسلوب میں بلاغت زیادہ ہے اور فصاحت کم
قاآنی کے اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا نطاق ایسا فصیح بول رہا
ہے کہ سامعہ کو اس سے بڑی لذت ملتی ہے لیکن بیان کم مغز ہے اور غالب
کے اشعار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک بچہ بول رہا ہے لیکن اس کا بیان پُر مغز
ہے۔ مثال کے طور پر غالب کے ایک مدحیہ قصیدہ کے چند اشعار پڑھ کر قاآنی
کے ایک مدحیہ قصیدہ کے منتخب اشعار پڑھتا ہوں جو کہ غالب کے اشعار
کے ہم وزن و قافیہ ہے۔ غالب لکھتا ہے

رواست شور نشید و ترانہ مستان را
بشرط آنکہ نگویند راز پنہاں را
مگیر خوردہ کزان فرقہ ام کہ پندارند
سواد خال رخ دوست داغ عصیان را
بنم کہ بر دل و دین خود اعتمادم ہست
بہ نیم غمزہ ہم این ار بائی و ہم آن را

ز دوستان خودم گیر در دنمائے و بیر
کسے کہ دوست ندارد کجا برد جان را
ز دل خدنگ تو بگزشت و در جگر بہ نشست
سرے بخانہ ہمسایہ بود مہمان را
نہ ماند گل بگلستان بخندہ لب بکشای
بہ برگ ریزہ بہ از گل بگر گریبان را
درنگ نیست خزان و بہار می گزرد
بگوی تا دہم آواز بوستان بان را
کجائی ای چمن آرا اگر نداری تاب
ز صرع نالہ واز باد ابر و باران را
ترا رسد ز سراپردہ ہاے رنگارنگ
نگار خانہ چین ساختن بیابان را
تو باغ و داغ بیاراے خواجہ حسن ضمان

کہ آوردم بہ تماشا خدیو گیہان را

بہ رشت لالہ اگر نیست گو مباش کہ شاہ

زخون صید کند لالہ زار میدان را

وسے دمے کہ کنی توتیائے دیدۂ خویش

غبار رہگذر بادپائے خاقان را

رکاب بوسہ دہ و جان بپائے رخش فشان

سپس بمرگ عدو مژدہ گوی سلطان را

بہار کوکبہ واجد علی شہ آن کہ بہار

بروز موکب جاہش بگدیہ سامان را

بروز بار برند از برش طغان و تگین

جز بہ تاج نہان زخم چوب دربان را

پئے نثار شہنشہ راز نہان بکار آورد

بجائے قرعۂ رمال چرخ گردان را

زمہر ورزی شہ بسکہ مردم اندر راہ
بروئے خاک فشانند خوردۂ جان را
وران رہ از کف ہر خاک چون بیفشانی
روان بروئے زمین بینی آب حیوان را
زسرمہ پایہ خاک رہ تو افزون است
بچشم کم منگر و لکھنو و صفاہان را

میں نے قصیدہ غالب کے انیس[19] اشعار تشبیب اور مدح میں پڑھے
اب اسی قدر تشبیب و مدح میں قاآنی کے قصیدہ سے پڑھتا ہوں سنئے

قصیدہ

چہ مایہ مایلی اے ترک ترک وخفتان را
یکی بیا و بیاز ار چہر الوان را
ہوائے جنگ چہ داری نوائے چنگ شنو
بیک دو جام مئے کہن تازہ کن جان را
خوشتر طیش چہ دیدی بسور عیش گرائے

کہ حاصلے بہ ازین نیست دور دوران را

زسینہ کینہ بہ پرداز وکار آب بساز

مزن بر آتش کین ہمچو باد دامان را

چہار ماہہ نہ بس بود شور فتنہ وجنگ

کہ بازِ زین ہی از بہر کینہ یک ران را

کمان وتیرت اگر نفس آرزو دارد

کمان ابرو نمائے وتیر مژگان را

ورت بہ خود وزرہ دل گشدگی بگذار

چو خود بر سر آن گیسوئے زرہ سان را

ہمی ز بند حوادث کشایش ار طلبی

در آبجرہ وکشائے بند خفتان را

بیار زان ہمی چون ارغوان کہ مدحت آن

میان جمع برقص آورد سخن دان را

چو در شهود بگلوی خورنده از دل و جان
زدل برون فگند رازهاے پنهان را
از آن شراب که گر بیندش کسے شب تار
کند نظاره بظلمات آب حیوان را
بده بگیر بهوشان بنوش تا ز طرب
تو عشوه ساز کنی من بدیح سلطان را
خدیو راد محمد شه آنکه ملکت او
زهر کرانه محیط است ملک امکان را
ندا نما بچه بستائیش که شوکت او
کشوده زان سوے بازار وهم دکان را
ز موشگافی تدبیر موکشان آرد
بخاک تیره ز هفتم سپهر کیوان را
بجامه خانهٔ جودش ندیده چشم جهان

جز آفتاب جہان تاب ہیچ عریان را

بعہد عدل تو صبح است و بس اگر کہ درو

تنے بدست تظلم درد گریبان را

ز روے صدق گواہی دہد کہ خلد این است

اگر بہ بزم تو حاضر کنند رضوان را

زمانہ بے مدد حزم تو ندارد نظم

کہ بے خرد اثر نطق نیست حیوان را

ہر دو کا کلام سننے سے آپ کو صفوی اسلوب اور ایران کے جدید اسلوب کا فرق معلوم ہو گیا ہوگا۔ قاآنی جدید اسلوب میں شعر کہتا تھا اور غالب صفوی اسلوب میں۔ میں نے صفوی اسلوب اس وجہ سے کہا کہ وہ ایران کی صفوی سلطنت کے زمانہ میں پیدا ہوا اور ہند کے تیموری عہد میں جو کہ صفوی کا معاصر تھا وہی اسلوب تھا اور اب تک ہے۔ ایران کا جدید اسلوب بظاہر سادہ اور عامیانہ ہے جس کی وجہ ملک

کا ہر بقیہ اور زارع بھی شعر کہتا ہے لیکن اس میں ایسے شعراء بھی ہوئے جنہوں نے اپنے سہل و ممتنع اسلوب میں معجزہ دکھلائے ہیں۔ قاآنی ان میں سے ایک ہے اور اس کے معاصر سروش اصفہانی قصیدہ میں اور فروغی بسطامی غزل میں اس کے ہم درجہ شعرا تھے۔ جب کہ ناصرالدین شاہ قاچار کے لشکر خوارزم کے امیر کو میدان جنگ میں قتل کر کے ان کا سر ناصرالدین شاہ کے پاس لائے شاہ اپنے ایوان میں بیٹھے ہوئے تھے اور اسی وقت سروش نے ایک قصیدہ پڑھا جس کے چند شعر یہ ہیں جن سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کیا کیا کمال کرتے ہیں۔

افسر خوارزم شہ کہ سود بکیوان — با سرش آمد درین خجستہ ایوان
از پئے کوشش کشیدہ بود سپاہی — بیش ز برگ درخت و ریگ بیابان
لشکر خسرو بتاخت بر زبر تل — آختہ شمشیر ہمچو برق درخشان
تاج و کمر بند خویش کیش فدا ساخت — تا کہ ز شمشیر ہندوی ببرد جان

گشتند اور او لشکرش بشکستند　　لشکر شاہنشہ مظفر ایران

اس وقت بھی ایران میں اسلوب سادہ مروج ہے اور شعراء اوسی میں اپنا کمال دیکھارہے ہیں اور اب صفوی اسلوب پر بھی توجہ ہو گئی ہے جس کی ایک وجہ سید احمد ادیب پیشاوری تھا جو کہ پچاس برس ایران میں متوطن اور علم و فضل میں بہت مشہور تہا وہ قدما کے اسلوب پر شعر لکھتا تھا اون کا دیوان اسی سال چھپ گیا ہے۔ اون کا انتقال دو سال قبل ہوا میں نے بھی اسلوب قدیم کے احیاء میں حصہ لیا ہے میرے فارسی ادبیات ایران میں نشر ہوتے رہتے ہیں اور میں نے ایرانیوں کو سمجھا دیا کہ صفوی علمی اسلوب کو دوبارہ ایران میں زندہ کرنا چاہئے۔ آج مجھپر فرض تھا کہ غالب کے اقسام شعر جیسے غزل۔ قصیدہ۔ قطعہ مثنوی وغیرہ کے ہر ایک قسم پر انتقاد کروں اور ہر ایک کے محاسن بتاؤں لیکن وقت اتنا کم ہے کہ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں لہذا اوسکو کسی وقت میں رکھنا مناسب خیال کرتا ہوں اگر آپکا

اشتیاق اور مجھے فرصت ہو تو کئی گھنٹے سمع خراشی کرونگا
اس وقت اتنا مجھے کہنا ہے کہ غزل میں فغانی کا مخترعہ رنگ
صفوی عہد میں اتنا بڑہا کہ عوام کے فہم سے دور ہو کر وہ
اشعار علماء ہی کے لئے مخصوص ہوگئے اون شعراء
میں ظہوری۔ نظیری بیدل۔ اسیر۔ غالب وغیرہ ہیں۔ ان شعرا
سے عوام کی شکایت کہ وہ خیال ہی میں غرق ہو گئے
بیجا نہیں ہے۔ جب ایک عالم اون کے اشعار بغور پڑہکر
معنے سمجھ لیتا ہے تو اوس کی خوشی کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔
مثنوی میں غالب مرحوم نے خیال کو زیادہ بڑہنے نہیں دیا
وہ شیخ عطار مولانا جلال الدین رومی کے مثنویوں سے زیادہ
اونچی نہیں ہے۔ ایک مثنوی کے کچھہ اشعار عرض کرتا ہوں
یہ مثنوی غالب کے مطبوعہ کلیات میں دوم مثنوی اور "درد
وداغ" کے نام سے موسوم ہے اوس میں ایک مشہور اخلاقی

حکایت ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کو جو کچھ ملتا ہے اوس
کو اوس پر قناعت کرنا چاہئے۔ افزوں طلبی نقصان دہ ہے اور
خدائے تعالیٰ نے جس کو روزی کم دی ہے وہ مصلحت سے ہے
حکایت یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایکدن مناجات کے لئے
کوہ طور پر جارہے تھے راستہ میں ایک ضعیف غریب
کو دیکھا جو کہ مع بوڑہی جورو اور ایک جوان بیٹے کے فاقہ کشی
میں مبتلا تھے انھوں نے موسیٰؑ سے درخواست کی کہ بارگاہ
الٰہی میں اون کی دعا کو پہونچادیں کہ اون کی رزق میں وسعت
ہو۔ موسیٰؑ کو رحم آیا اور مناجات میں اون کے دعا کو بھی بارگاہ الٰہی
میں پہونچادیا۔ جواب میں خطاب ہوا کہ اون کی حالت اون
کے لئے مصلحت ہے اور اگر وہ زیادہ پائیں گے تو وہ شرارت
میں مبتلا ہو جائینگے۔ موسیٰ نے پھر بھی رحم کرم کی درخواست کی
تو خدا نے فرمایا تمہارے سمجھانے کے لئے میں نے اون

تینوں کے تین دعائیں مستجاب کروں گا۔ ہر ایک ایک دعا مانگ
لے موسیٰؑ نے واپسی میں اون کو بشارت دی اور وہ بہت خوش
ہو کے مشورہ کرنے لگے کہ ہر ایک کیا چیز مانگ لے اتنے میں
پانی کی ضرورت ہوئی اور بڑھیا گھڑا لے کر تالاب کے پاس
گئی اور جب اپنی صورت پانی میں دیکھی تو بہت غمگیں ہو کر
اپنی دعا مانگی کہ اے خدا مجھکو ایک خوب صورت جوان
عورت بنا دے چنانچہ وہ اسی وقت بن گئی اتفاق سے
ایک شاہزادہ شکار کے پیچھے گھوڑا دوڑاتا ہوا وہاں پہونچا
اور اوس حسین عورت کو دیکھ کر اوس سے کہا اگر تو میرے
ساتھ چلے تو میں تم کو اپنی بیوی بناؤں گا عورت راضی ہو کے
اوس کے پیچھے سوار ہو گئی۔ خاوند اور بیٹا دیکھ رہے تھے اور
بڈھے نے بہت پریشان ہو کے اپنی دعا مانگی کہ اے خدا
یہ بے وفا عورت سورنی بن جائے۔ جب شاہزادہ نے چند

قدم چلکر دیکھا کہ اوس کے پیچھے ایک سورنی ہے تو اوس نے ڈر کے اوس کو گرا دیا اور چلا گیا۔ وہ بیٹے کے پاس آئی اور اوس کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ بیٹے کو رحم آگیا اور اوس نے یہ دعا مانگی کہ اے خدا اس کو پھر میری بڑھیا اماں بنا دے اور وہ بن گئی۔ غالب صاحب کی حکایت میں کچھ فرق ہے لیکن جو کچھ ایران میں مشہور ہے میں نے عرض کر دیا۔

اشعار یہ ہیں۔

بے ثمری برزگری پیشہ داشت
در دل صحرائے جنوں ریشہ داشت
دست تہی آئینہ قسمتش
زخم دل و داغ جگر دولتش ؞؞
خانہ اش از دشت خطرناک تر
پیرہنش از جگرش چاک تر ؞؞؞

مائۂ او داغ و ہمان در برش

حاصل او خاک و ہمان بر سرش

ہر سحرش تیرہ ترا از تیرہ شام

فاقہ پے فاقہ کشیدی مدام

۲ ـ لے آخر ۸

تمام شد